بلوچستان
قدیم تہذیبوں کا سنگم
محمد رضا بلوچ
60 Kilometres
64° E
ZHOB
PISHIN
LORALAI
KOHLU
BARKHAN
SIBI
NUSHKI
DERA BUGTI
KHAIRPUR
SUKKUR
GHOTKI
PANJGUR
AWARAN
SANGHAR
Ormara
HYDERABAD

محمد رضا بلوچ

قلات پبلشرز
رستم جی لین جناح روڈ کوئٹہ فون 2827252
ای میل kalat_publishers@yahoo.com

کتاب: .... بلوچستان قدیم تہذیبوں کا سنگم

مصنف: .... محمد رضا بلوچ

اشاعت: 2007

کمپوزنگ: .... خالد رئیسانی

سرورق: .... منصور گل

ناشر/ پرنٹرز: .... قلات پبلشرز اینڈ پرنٹرز

قیمت: .... 140 روپے

KALAT PUBLISHERS
Rustam Jee Lane
Jinnah Road, Quetta Ph: 2827252
E-mail: kalat_publishers@yahoo.com

انتساب

ان دانشواروں کے نام جنہوں نے بلوچ روایات، تہذیب، ثقافت اور تاریخ کو قومی اور عوامی شعور عطا کر کے عالمی سطح پر تاریخ، علم و ادب کا حصہ بنانے کی جدوجہد کی۔

فہرست

پیش لفظ

مجھے پڑھنے اور لکھنے کا شوق سکول کے زمانے ہی سے تھا جماعت ہشتم سے تو میں نے تاریخی ناول اور کتابیں پڑھنا شروع کیں۔ جنہوں نے آگے چل کر آثار قدیمہ کی طرف مجھے راغب کیا جس کی سب سے بڑی وجہ چند انگلش فلمیں اور گاؤں میں رہائش پذیر میرے نانا صاحب تھے جن کی مہم جوئی کو دیکھ کر اور نانا صاحب کے علاوہ گاؤں کے دوسرے عمر رسیدہ لوگوں کے دیو مالائی قصے سن کر مجھے بھی شوق ہوا کہ میں آثار قدیمہ کا باقاعدہ علم حاصل کروں۔ کافی عرصہ تک تشنگی یونہی رہی، بچپن سے ہی مہم جوئی کے شوق کی وجہ سے 1985ء کو ٹیکوانڈ مارشل آرٹ میں بلیک بیلٹ کی ڈگری حاصل کی، ٹیکوانڈ مارشل آرٹ کی وجہ سے کئی ممالک میں پاکستان کی نمائندگی باحیثیت فائٹر کھلاڑی اور کوچ کر چکا ہوں۔ پاکستان میں آج کی طرح اس وقت بھی علم آثار قدیمہ پر اردو زبان میں کوئی کتاب نہیں تھی جس کے مطالعہ سے علمی استفادہ کیا جا سکتا۔ بلوچستان کے سکول اور کالج سطح پر آثار قدیمہ سے متعلق نصاب میں کوئی مواد نہیں تھا اور نہ ہی اب ہے اس کے باوجود آثار قدیمہ کے علم کا مطالعہ ہمیشہ میرے ذہن پر غالب رہا۔

طالب علمی کے زمانے میں سیاست سے گہری وابستگی رہی جس کی وجہ سے 1986ء کے آخر ایام میں افغانستان جانا پڑا جہاں دو سال رہنے کے بعد سابقہ سوویت یونین برائے حصول تعلیم چلا گیا۔ ''کیوبان اسٹٹ یونیورسٹی کراسنادر روس'' میں پانچ سال تک ''یونیورسل ہسٹری'' میں تعلیم حاصل کرتا رہا اور آخر کار جون 1994ء میں ماسٹر ڈگری حاصل کی، جس کیلئے سابقہ سوویت یونین کے مختلف آثار قدیمہ سے متعلق قدیم کھنڈرات اور مدفن بستیوں اور عجائب گھروں کا سروے، کھدائی اور دورے کئے سابقہ سوویت یونین میں علم آثار قدیمہ کی تعلیم و تربیت نے مجھے مزید توانائی اور جوش بخشا۔

سابقہ سوویت یونین سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد جولائی 1994ء کو گھر واپس آنے

کا موقع ملا اور جنوری 1995ء کو" ہڑپہ آرکیالوجیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ہڑپہ "امریکن ٹیم میں شامل ہوکر دو سال تحقیق و کھدائی کا کام کرتا رہا جس کے ڈائریکٹر "ہارورڈ یونیورسٹی آف امریکہ "کے ڈاکٹر رچرڈ میڈو اور فیلڈ ڈائریکٹر ڈاکٹر جے۔ایم۔کنائر تھے۔جنہوں نے فیلڈ آرکیالوجی میں مجھے بہترین تربیت دی۔1996ء سے میں نے مختلف اخبارات اور جرائد میں آثار قدیمہ پر مضمون اور فیچرز لکھنے کا آغاز کیا جن کی تعداد اب تقریباً300 ہے۔جن میں بلوچستان کی قدیم تہذیب،قدیم کھنڈرات،تباہ شدہ بستیاں،تاریک غاروں اور بلوچ ثقافت کے موضاعات بطور خاص شامل ہیں۔ان مضامین اور فیچرز کے ذریعے علم آثار قدیمہ سے شوق رکھنے والے طالب علموں اور قارئین ان سے استفادہ کرتے رہے۔اس 11 سالہ سفر میں بہت سے لکھاریوں نے میرے مضامین کا سرقہ کر کے اپنے نام سے مختلف کتابوں اور اخبارات میں شائع کروایا جس کی وجہ سے میری حوصلہ شکنی ضرور ہوئی مگر میں نے اپنی کوشش جاری رکھیں۔

زیرِنظر کتاب میری کئی برسوں کی تحقیق،مطالعہ اور جستجو کا نتیجہ ہے۔ جہاں تک کتاب لکھنے کی بات ہے۔یہ خیال مجھے 1998ء سے تھا۔مگر ہر بار مسودے کو پڑھنے اور پڑتال کے بعد کچھ تشنگی باقی رہ جاتی جس کو دور کرنے کیلئے مزید مطالعہ،سروے اور تحقیق کرنی پڑتی اس طرح یہ سلسلہ طول پکڑتا چلا گیا۔یہاں میں وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کتاب میرے مضامین کا مجموعہ نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ موضوعات ایک دوسرے سے میل کھاتے ہوں میں نے اس کتاب میں ابتدائی انسان سے مطالعہ کا آغاز کیا ہے جو مختلف ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آخر کار ایک ترقی یافتہ تہذیب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

اس کتاب کا اوّل حصہ عمومی علم آثار قدیمہ اس کے اقدامات اور فعلیات سے متعلق ہے۔جس میں زمانے کی تقسیم،نسل انسانی کی تقسیم، جیا آرکیالوجی اور دوسرے اہم وضروری مواد شامل ہیں جو ایک طالب علم کیلئے رہنمائی کا کام دے سکتے ہیں۔اسی طرح کتاب کے دوسرے حصے میں بلوچستان میں قدیم انسانی آثار،تہذیب کے خدوخال،معیاد اور نوعیت کے علاوہ دوسری قدیم تہذیبوں سے وابستگی،اقدامات اور ان کے رشتوں سے متعلق ہیں۔یہ کتاب لکھتے وقت اور خاص کر ترتیب دیتے وقت میری کوشش یہ رہی کہ اسے نصابی کتاب کی شکل دوں۔اس کتاب میں

وہ تمام مواد اور لوازمات شامل کئے جو ایک ابتدائی نصابی اور تحقیقی کتاب میں ہونے چاہئیں کیونکہ اس سے پہلے پاکستان اور بالخصوص بلوچستان آثار قدیمہ کے بارے میں کوئی مستند کتاب سامنے نہیں آئی جس کے ذریعے معلومات حاصل کی جاسکیں کہ آثار قدیمہ کیا ہے اس کی اہمیت اور انسانی معاشرے میں کیا ضرورت ہے۔ بلوچستان کے قدیم انسانی آثار کہاں کہاں اور کس درجہ ونوعیت کے ہیں۔

میں نے اپنی کتاب میں ابتدائی معلومات کو جامع اور مستند بنیادوں پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کیلئے ویسے تو بہت سے نام میرے ذہن میں تھے۔ مگر بلوچستان کی تہذیبی اور جغرافیائی اہمیت کے پیش نظر مجھے کتاب کا نام ''بلوچستان قدیم تہذیبوں کا سنگم'' زیادہ موزوں لگا جو میری خیال ہی میں نہیں بلکہ میری تحقیق ومطالعہ کا نتیجہ ہے۔

میں ممنون ہوں اُن تمام نام نہاد دانشواروں اور لکھاریوں کا جنہوں نے میرے کئی مکمل مضامین اور ان کے اقتباسات اپنے نام سے شائع کروائے جس کی وجہ سے میں نے فی الحال مضامین اور فیچرز لکھنا موقوف کر دیا اور ساری توجہ اپنی کتاب پر دی۔ میں ممنون ہوں مقبول رانا صاحب، وحید زہیر اور اکرم دوست بلوچ کا جنہوں نے میری مدد کی اور مجھے توانائی دی، یہاں میں سعید احمد کرد اور سید عظمت اللہ کا بھی شکرگزار ہوں جنہوں نے سروے اور فوٹو گرافی کیلئے کئی بار میرے ساتھ بولان، دشت، مستونگ، بند خوشدل خان، کلی منزکئی، کلی اسماعیل زئی اور جلب گیر کا موٹر سائیکل پر سفر میں ساتھ دیا۔ میں ممنون ہوں۔ جناب جان محمد دشتی صاحب کا جنہوں نے میری رہنمائی کی، یہاں میں آغا نصیر احمد زئی کا ذکر ضرور کروں گا جنہوں نے بہت سی تصاویر اور مواد کے علاوہ میری رہنمائی کی۔ یہ کتاب میری انتھک محنت، تحقیق، مطالعہ اور جستجو کا نتیجہ ہے فیصلہ قارئین اور طالب علموں نے کرنا ہے کہ کتاب کا معیار کیسا ہے اور میں اپنے مقاصد میں کس قدر کامیاب ہوا ہوں اور میں نے علم آثار قدیمہ کے مختلف موضوعات اور پہلوؤں کا کہاں تک احاطہ اور ادراک کیا ہے۔

محمد رضا بلوچ جولائی 2007ء

تشخص کی تلاش

جب ہم انسان اور کائنات کے بارے میں فکری تردد کرتے ہیں تو بہت سے علوم اور مظاہر قدرت ہماری رہنمائی کرتے ہوئے ہم پر نہ صرف یہ کہ کائنات بلکہ بذات خود بنی نوع انسان کے عروج وزوال' بگڑنے سنورنے حیات وموت اور بہت سے دیگر اسرار و رموز سے آشکار کردیتے ہیں اور وہ ہمیں انسانی زندگی کی بناوٹ اس میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا شعور' ادراک اور ایقان عطا کرنے کا موجب بنتے ہیں بلکہ اس کے انحطاط وارتقا کے بہت گوشوں سے آگاہی دیتے ہیں انسان جانوروں جیسی زندگی گزارنے کے بعد جب پتھر لوہے' زراعت' اور صنعتی انقلابات کے ادوار سے ہوتا ہوا اکیسویں صدی کی سیڑھی پر قدم رکھتا ہے تو اپنی اس پوری نشو ونما اور ارتقاء کے ساتھ کائنات کی بہت سی ایسی اشیاء کو بھی تبدیلیوں' جہتوں اور رنگ وروپ سے آشنا کرتا چلا آتا ہے جس سے ابتدائے آفرینش سے لے کر عصر حاضر تک کے بہت سے راز ہائے سربستہ ہم پر بتدریج منکشف ہو کر ہمیں حالات وواقعات کی رفتار اور ان کے وقوع پذیر ہونے کے اسباب وعلل سے آگہی دیتے ہیں انسانی معاشرت اس کی فکری اٹھان اور میلان کے لاتعداد پہلو اجاگر ہو کر ان کے پس منظر اور پیش منظر سے متعارف کرواتے ہیں بعض مفکرین کے نزدیک انسانی شعور کے ارتقاء میں تشکیک نے اہم کردار ادا کیا ہے اسے دوسرے لفظوں میں جستجو یا تلاش سے بھی موسوم کیا جاسکتا ہے اور یہی وہ اسباب ہیں جن سے گزر کر ابتدائی دور کا انسان موجودہ حالات تک پہنچا ہے حالات وواقعات کی اس بنت اور متشکل ہونے میں انواع واقسام کے علوم ذاتی اور اجتماعی تجرباتی' آگہی' شعور اور فکری سراغ رسانی نے اہم کردار ادا کیا ہے اور ان میں کلیدی کردار علم آثار قدیمہ نے بھی ادا کیا ہے یہ علم اور اس کی مختلف شاخیں نہ صرف انسان کی ابتداء اس کے ماضی کے احوال کا دستاویزی ثبوت ہیں بلکہ اس سے حال کے خدوخال کے بعد ان کے اثرات اور مضمرات مستقبل پر محیط ہونے کے بھی واضح اشارے بھی بہم پہنچاتے ہیں علم آثار قدیمہ کا انسانی تاریخ سے ایک طرح سے جڑواں بہن بھائی کا رشتہ ہے ہم انسان کی ابتدائی شکل' معاشرت کی شروعات اس کے زندگی گزارنے کے طور طریقوں' اس کی فکری اٹھان' اس کے رنج والم اور فخر

وانبساط اور مباہات کے پہلوؤں سے بھی شناسائی حاصل کرتے ہیں تاریخ تو صرف انسان کے گرد گھومتی ہے وہ حالات وواقعات کا مجموعہ ہوتی ہے لیکن علم آثار قدیمہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے لیکن اسے انسان کی عدم توجہی سے تعبیر کریں یا اہم ضرورتوں کی افادیت اور اہمیت سے اغماز اور اغماض برتنے کا شاخسانہ کہیں لیکن انسان اس کے ماضی اس کی معاشرت اس کے جذبوں اور احساسات اس کے زندگی گزارنے کے اطوار اور اپنے جیسے انسانوں سے معاملات طے کرنا سے متعلق شواہد کا طومار بھی عینی شہادتوں کی شکل میں ملتا ہے تاریخ تو اتنی ہی پرانی ہے جتنی حیات انسانی ہے لیکن علم آثار قدیمہ کی جڑیں، گہرائی اور گیرائی اس سے بھی زیادہ قدامت کا سراغ دیتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس علم کی طرف انسان تاخیر سے متوجہ ہوا اور اس نے انسان کی پوری حیات کا احاطہ اور محاکمہ کرکے بنی نوع انسان کو اس کے ماضی سے پیوستہ رکھا یہ الگ بات ہے کہ اس علم سے آگاہی کی شروعات بعد ازاں ہوئیں یہ علم اصل میں انسان کے ماضی کی مکمل حکایت کا پرتو ہے اور یہ اقدام کیلئے ایک ایسے آئینے کی حیثیت رکھتا ہے جس میں ماضی کے چہرے کی اصل سامنے آسکتی ہے ماہرین اس نتیجے پر بھی پہنچے ہیں کہ دنیا کی بڑی بڑی تہذیبیں جو علم آثار قدیمہ کی اساس بھی ہیں پانی کے کنارے پیدا ہوئیں لیکن علم آثار قدیمہ کی جدید ترین دریافتوں نے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ یہ تہذیبیں، صحراؤں، پہاڑوں، وادیوں اور میدانوں میں بھی اپنی وابستگی رکھتی ہیں اور اس ضمن میں علم آثار قدیمہ نے رہنمائی کی ہے ویسے تو اس کرہ ارض پر جتنی بھی تہذیبیں موجود ہیں جن کی بلند و بالا عمارتیں صدیاں بیتنے کے باوجود آثار قدیمہ کے کندھوں پر کھڑی نظر آتی ہیں بابل اور نینوا کی تہذیب سے لے کر مہر گڑھ، موہنجوداڑو، ہڑپہ تک کی تہذیبوں کی دریافتوں نے انسان کے ماضی کا ایک طرح سے روزنامچہ فراہم کردیا ہے مملکت خداداد کی حدود میں واقع مختلف تہذیبوں نے علم آثار قدیمہ کی بدولت ان کی قدامت اور انفرادیت کے راز اگل دیئے ہیں اس حوالے سے بلوچستان میں علم آثار قدیمہ کے حوالے سے ماضی کی پرتیں کھول کر رکھ دی ہیں جب سے علم آثار قدیمہ نے باقاعدہ ایک سائنسفک علم کا روپ اختیار کیا ہے تب سے ماضی قریب اور بعید میں ہمیں اس خطے کے اندر نئی دنیائیں اپنے بڑے کروفر اور جاہ و جلال کے ساتھ نظر آتی

ہیں ویسے تو ہمیں آثار قدیمہ کی دریافتیں تمام براعظموں میں اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ہیں لیکن بلوچستان کے آثار قدیمہ کی کڑیاں ہمیں ماضی کی پاتال میں اتری ہوئی دکھائی دیتی ہیں اگرچہ اس سلسلے میں بہت کم کام ہوا ہے اور اگر ہوا بھی ہے تو وہ بیرونی ممالک کے ماہرین کے سبب میسر آیا ہے بلوچستان کے آثار قدیمہ کے ساتھ یہ المیہ بھی رہا ہے کہ اس طرف بہت ہی کم توجہ دی گئی ہے اور تحریری مواد تو اس بارے میں بے بظاعتی کا شکار ہے اس بارے میں سب سے پہلے باقاعدہ جستجو کے ہتھیار سے لیس ہو کر کام محمد رضا بلوچ نے کیا ہے جن کی اس علم سے وابستگی اور ہم آہنگی سے ان کی جوان ہمتی اور اس شعبے سے گہری دلچسپی کے ثبوت فراہم ہوئے ہیں ان کی زیر نظر کتاب کسی فاتح یا سیاح کا روزنامچہ نہیں بلکہ ان کے ذاتی تجربے، مشاہدات اور دور دراز علاقوں کے مشکل ترین سفر طے کر کے اور وہاں ماہرین کی ٹیموں کی معیت میں کام کرنے کا شاخسانہ ہے انہوں نے اس علم کے کم وبیش ہر پہلو کے لئے بڑی جانفشانی سے مواد اکٹھا کر کے انہیں یکجا کر دیا ہے ان کی یہ کاوش ایک طرح سے نئی دنیا کی تلاش کے مترادف ہے یہ کتاب اپنے موضوعات کے اعتبار سے ایسے روشن مینار کی حیثیت رکھتی ہے جس سے لاتعداد چراغ اور مینار روشن کرنے کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں رضا بلوچ ہم سب کی ستائش اور قدردانی کے مستحق ہیں انہوں نے بلوچستان کو اس حوالے سے بھی قومی اور عالمی سطح پر متعارف کرایا ہے جس کے بارے میں تاریخ بھی مہر بہ لب ہے مجھے امید ہے کہ رضا بلوچ کے جلائے ہوئے چراغ سے مستقبل میں لاتعداد چراغ روشن ہوں گے اس لئے کہ آثار قدیمہ کی کھوج لگانے اور ان کا ہر پہلو کے اعتبار سے جائزہ لینا ایک بڑا کارنامہ ہے بلاشبہ انہیں اس شعبے میں اس خطے کے حوالے سے بانی قرار دیا جاسکتا ہے اس کتاب کو نہ صرف لائبریریوں کی زینت بننا چاہئے بلکہ یہ ہر طالب علم، تاریخ کے شناور اور ماضی کو جاننے والوں کی ایک ضرورت بن سکتی ہے اسے ہر گھر اور ہر صاحب مطالعہ اور شخص کیلئے ناگزیر ہونا چاہئے۔

مقبول احمد رانا

ایڈیٹر آساپ گروپ آف نیوز پیپرز

3.8.2007

باب-1

علم آثار قدیمہ کی ابتداء

آثار قدیمہ (آرکیالوجی) یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی وہ قدیم انسانی آثار و باقیات ہیں جو اکثر مٹی تلے دفن ہو چکی ہیں یا قدیم دور میں انسانوں کے زیر استعمال رہ چکی ہیں اور وہ آثار لوگوں نے اپنی ضروریات کیلئے بنائے ہوں آرکیالوجی ان قدیم انسانی آثار و باقیات کا مکمل سائنسی ضابطے کے تحت تحقیقی کھوج لگا کر جائزہ لیتی ہے قدیم دور کے انسان کی سیاسی، سماجی، معاشی، تہذیبی حالت اور ماحول کے کھوج اور مطالعہ کرنے کے علم کو آثار قدیمہ کہتے ہیں تحریری تاریخ اگر صرف حکمرانوں کے احوال بیان کرتی ہے تو آثار قدیمہ کی دریافت سے ہر طبقہ کی زندگی اور ان کا معاشرتی و معاشی پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے۔

علم آثار قدیمہ کی ابتداء 19 ویں صدی عیسوی میں ڈنمارک سے ہوئی شروع میں علم آثار قدیمہ کو تاریخ، انتھر یولوجی اور انتھولوجی کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا اور یہ تاریخ کے ماخذوں میں سے ایک تھا کہ جس کے مطالعہ اور دریافتوں میں اس علم کے ماہرین نے اس بات کی کوشش کی کہ اسے دیگر علوم کے اثر سے باہر نکال کر آزاد و خود مختار علم کا درجہ دیا جائے کیونکہ اس علم کا دائرہ دوسرے علوم سے مختلف ہو جاتا ہے اور یہ معاشیات، نسلیات، انسانیات اور لسانیات کے برعکس لوگوں کا براہ راست مطالعہ نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی بنیاد تحریری مواد پر ہوتی ہے اس کا انحصار ملبوں، کھنڈرات اور اکثر مٹی تلے دفن آثار پر ہے اور ان آثار کے ذریعے یہ قدیم تہذیبیں، بے آباد بستیوں اور معاشروں کو دریافت کر کے ان کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ کرتا ہے۔

علم آثار قدیمہ کی ابتداء سے پہلے لوگ پرانی چیزوں سے صرف خاندانی رشتوں اور

مذہب کی اہمیت اور عظمت کی وجہ سے دلچسپی اور عقائد رکھتے تھے اور ان رشتوں کی وجہ سے وہ ماضی کی یادگاروں کی حفاظت کرتے تھے ان کو اپنے آباؤ اجداد کی یادگاروں کے علاوہ دوسری قدیم چیزوں اور یادگاروں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی باقی تمام تہذیبی آثار ان کیلئے بے کار اشیاء سے زیادہ کچھ نہیں تھے قدیم عمارات، قلعوں، محلات، لباس، زیورات، آلات پیداوار اور قومی یادگار کو محفوظ کرنے کا رجحان انیسویں صدی عیسوی میں یورپ سے بحیثیت سائنسی علوم کے شروع ہوا بیسوی صدی عیسوی تک دنیا بھر میں تاریخی ورثہ کی حفاظت اپنے عروج کو پہنچی اور انہی کی وجہ سے دنیا بھر میں تاریخی وتہذیبی ورثہ کی نمائش کیلئے عجائب گھر، آرٹ گیلریاں اور ادارہ ہائے ثقافت بنائے گئے ان نوادرات کی نمائش اور تاریخی اہمیت کی وجہ سے قوموں میں ماضی کا اثر اور گہرا ہوتا گیا خاص کر نو آبادیاتی دور کے خاتمے کے بعد جب قوموں کی تشکیل از سر نو ہونے لگی بالخصوص اس وقت جب کسی قوم میں برتری اور کمتری کی سوچ پیدا ہو لوگ جب اپنی قوم سے منسلک قومی ورثہ کو دیکھتے ہیں تو ان کے دل میں ماضی کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے اور قومی ادارے اسی وجہ سے ماضی کی یادگاروں کو عوام میں اجاگر کرنے کیلئے عجاب گھر (میوزیم) تعمیر کرتے ہیں آرٹ گیلری اور ادارہ ثقافت کا قیام عمل میں آتا ہے۔ کانفرنس اور سیمینارز منعقد کرائے جاتے ہیں سرکاری سطح پر سکول، انسٹی ٹیوٹ اور یونیورسٹیوں میں جدید خطوط پر اعلیٰ سائنسی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ معاشرے میں ماضی کی یادگاروں کے بارے میں شعور پیدا ہو جائے اور عالمی ادب وفن تاریخ وثقافت میں اس ملک اور قوم کو اعلیٰ مقام حاصل ہو جائے۔

انسان اس کائنات میں اشرف المخلوقات کا درجہ رکھتا ہے اس لئے انسان کا مطالعہ باقی تمام کائنات کے مطالعہ سے بھی زیادہ وسیع اور اہم ہے انسان اپنے طبعی اور معاشرتی ماحول سے تقابل میں اپنے ترقی یافتہ اعصابی نظام اور اپنی انوکھی اور یکتا جسمانی بناوٹ اور اپنی بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کے باعث معاشرتی ارتقاء کی ابتدائی منزلوں سے گزرتا ہوا آج کے پیچیدہ ترین اور ترقی یافتہ معاشرتی نظام کو تشکیل دے سکا ہے اور اس نظام کو اعلیٰ ترین درجات پر لے جانے کی جدوجہد ہنوز جاری ہے تمام انسانی مطالعات کو وسیع اور جامع بنانے کیلئے ماہرین نے اپنے اپنے خصوصی

(ہڑپہ آرکیالوجیکل ریسرچ پروجیکٹ کے شرکاء کا گروپ فوٹو)

(ایم رضا بلوچ ہڑپہ میں تحقیقی کھدائی کے دوران)

حلقے چن لئے ہیں جن کا وہ علم آثار قدیمہ کے ساتھ ساتھ خصوصی مطالعہ کرتے ہیں اس طرح ماہرین کو پانچ گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(1) ماہر آثار قدیمہ کا ایک گروہ نسلیات (انتھر یولوجی) کا ہے یہ زیادہ تر ابتدائی تہذیبوں اور ناخواندہ تمدنوں کا مطالعہ کرتا رہا ہے۔لیکن حالیہ زمانے میں نسلیات دانوں نے تمام براعظموں کے پیچیدہ طور پر منظم معاشروں اور نئی قوموں کا مطالعہ بھی شروع کیا ہے۔

(2) ماہر آثار قدیمہ کا دوسرا گروہ طبعی انسانیات کا ہے نسلیات دانوں کی طرح یہ بھی موجود آبادیوں کا مطالعہ کرتا ہے ان کے مطالعہ کا مقصد انسان کی قدیم اور زمین کے طبقوں میں دبی ہوئی جسمانی شکلوں کی تشریح اور تبدیلیوں کی وظیفی اہمیت معلوم کرنا ہے دوسرا مطالعہ کا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ انسان کی جسمانی شکل وصورت میں تفاوت کی بنیادیں کہاں ہیں تا کہ اس ارتقائی عمل کا پتہ لگایا جاسکے جس کی وجہ سے انسان دیگر حیوانات سے مختلف ہو گیا ہے۔

(3) ماہر آثار قدیمہ کا تیسرا گروہ لسانیات کا ہے یہ نسلیات اور آثار قدیمہ کی وہ شاخ ہے جو زبانوں کا مطالعہ کرتی ہے یہ مطالعہ تاریخی وغیر ہر دو قسم کی تحقیق اور کھوج پر مشتمل ہے لسانیات کا ایک حصہ زبانوں کی اصل اور نشوونما سے متعلق ہے۔

(4) ماہرین آثار قدیمہ کا ایک گروہ انسانیات کا ہے یہ اپنے علم کی لفظی تعریف کے لحاظ سے انسان اور اس کی خصلتوں کا سائنسی مطالعہ کرتا ہے اور اپنے علم کو ایک ہمہ گیر اور جامع علم کی حیثیت دینے کی کوشش کرتا ہے۔انسانیات حیاتی اور سماجی ہر دو قسم کے نقطہ ہائے نظر کو ایک علم میں مربوط کرتا ہے۔

(5) آثار قدیمہ سائنسی بنیادوں پر استوار ایک خودمختار اور مکمل علم ہے جو گزشتہ زمانے اور ماضی میں گہری دلچسپی رکھتا ہے وہ پرانے شہروں اور تہذیبوں کو دریافت کرتا ہے قبل از تاریخ کے شکاری انسان کے مسکن ڈھونڈتے ہیں اپنے مطالعہ کیلئے یہ ماہرین ملبوں اور کھنڈرات کے ڈھیروں، قبرستانوں اور بے آباد بستیوں میں آثار کا پتہ لگاتے ہیں اور یہ معلوم کرتے ہیں کہ اس زمانے میں انسان کس قسم کے ماحول میں اپنی زندگی گزارتے تھے۔

ماہرین آثارقدیمہ اوائلی عہد کے انسان کی طبعی خصوصیات اورنسل انسانی کے جسمانی و ذہنی ارتقاء کا مطالعہ بھی کرتے ہیں علم آثارقدیمہ خصوصی طور پر ماضی کی انسانی تہذیبوں اورثقافتوں کے مطالعہ سے متعلق ہوتا ہے اورگزشتہ تہذیبوں وتمدنوں کی ساخت اور بناوٹ کودریافت کرتا ہے ساتھ ہی یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ ان میں کس طرح ارتقائی عمل سے تبدیلیاں واقع ہوئیں اور وہ اپنے مقاصد کا حصول صرف آثار کی مادی اشیاء اورتحریری مواد پر بہت کم انحصار کرتے ہیں کیونکہ انسان نے لکھنا پڑھنا بہت دیر سے شروع کیا انسان نے ماہرین کے مطابق تقریباً پانچ ہزار سال قبل فن تحریر ایجاد کیا جبکہ انسانی زندگی کی ابتداء کروڑوں سال پہلے زمین پر ہوگئی تھی مگر قدیم آثار کے تباہ شدہ کھنڈرات، مدفن خزانوں اور قدیم آثار کے حوالے سے دنیا بھر کی مختلف قوموں میں مختلف لوک داستانیں بھی مشہور ہیں ان کھنڈرات، مدفن خزانوں اور ان میں پائے جانے والے بیش بہا قیمتی نوادرات، غیر آباد بستیوں کے جو اکثر مٹی تلے دفن ہیں ان آثار کے بارے میں کہ وہ کس زمانے میں اپنے عروج پر تھیں اور کس طرح وہ زوال پذیر ہوئیں اسی طرح کے مختلف مذہبی عقیدے بھی ہیں قرآن مجید میں بھی ان عظیم تہذیبوں کے عروج وزوال کے بارے میں آیات مبارکہ موجود ہیں:

ترجمہ: (اور ہم نے جتنی بھی بستیوں کو اجاڑا ان سب کیلئے ایک لکھا ہوا وقت مقررہ ہو چکا تھا اس لحاظ سے کوئی بھی امت اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے)

ماہرین آثارقدیمہ ثقافتی تاریخ اورنشو ونما کے متعلق ہمارے علم میں بیش بہا اضافہ کرتے ہیں اسی سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے سب سے پہلے کہاں اور کب ثقافت تشکیل دی اور ناخواندہ افراد کی ثقافت کی تاریخ کیا رہی ماہرین آثارقدیمہ ہی ہمیں انسانی ثقافت کے ارتقاء کے متعلق بتاتے ہیں اور یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ دنیا کے مختلف حصوں کی گوناگوں ثقافتوں میں سلسلہ وار تبدیلیاں کس طرح واقع ہوئیں۔ مختلف خطوں میں مختلف زمانوں میں کس طرح غیر زرعی معاشروں سے زرعی ٹیکنیک استعمال کرنے والے معاشرے ابھرے یا کب اور کس طرح

کانسی اور لوہے کے آلات واوزار بنائے جانے لگے اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ علم آثار قدیمہ کی تحقیق وتفتیش نہ صرف ماضی کی تصویر پیش کرتی ہے بلکہ علم انسانیات اور لسانیات سے حاصل کی ہوئی اطلاعات کی مدد سے یہ بھی بتاتی ہے کہ ثقافتوں میں کس طرح تغیرات واقع ہوئے ہیں۔

برطانوی حکومت نے ہندوستان میں 1861ء میں محکمہ آثار قدیمہ قائم کر دیا تھا اس کے ابتدائی ماہرین میں سر جان مارشل، جنرل الیگزینڈر کنھکم اور مورتمر ویلر جن کو ہندوستانی آثار قدیمہ کا ابوالاباء کہا جاتا ہے۔ 1862ء میں ہندوستان نے آرکیالوجیکل سروے کی ایک اسامی قائم کی تو اس پر جنرل الیگزینڈر کنھکم کا تقرر ہوا صرف بیسویں صدی میں ہی آثار قدیمہ کی کھدائی کا کام بڑے پیمانے پر شروع ہوا ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن کی ذاتی دلچسپی کا ممنون ہونا چاہئے کہ 1901ء میں آرکیالوجیکل سروے کی اصلاح ہوئی اور سر جان مارشل کو محکمہ آثار قدیمہ کا ڈائریکٹر جنرل مقرر کیا گیا اور سر جان مارشل کی سربراہی میں آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کی عظیم کامیابی سندھ کی تہذیب کی دریافت تھی برصغیر کے لوگوں میں تاریخی شعور بڑھا بلکہ اس کا اثر علم آثار قدیمہ کی شروعات وترقی کی صورت میں بھی نکلا کیونکہ کوئی بھی نئی دریافت ماہرین میں ایک نیا جذبہ اور ولولہ پیدا کرتی تھی اور ان کے سامنے ایک نئی دنیا ہوتی تھی جو دنیا کی نظر سے اب تک پوشیدہ تھی اور اب اس کے ان پوشیدہ عناصر سے پردہ اٹھانے کا کام ماہرین کا ہوتا تھا یہ پورے معاشرے کی دریافت ہوتی تھی ان کی زبان جاننے سے لے کر ان کی سماجی، معاشی اور مذہبی زندگی تک کو دوبارہ تشکیل دینا ہوتا تھا اس لئے موہنجوداڑو کی دریافت نے برصغیر کو گمنامی سے نکال کر اسے تاریخی ارتقاء میں شامل کیا ویسے تو سندھ کی تہذیب ہڑپہ 1861ء میں دریافت ہوئی اور اب اسے ڈیڑھ صدی ہونے کو ہے کہ اس پر شروع میں برطانوی، امریکی اور سوویت ماہرین نے تحقیقی کھدائیاں کیں جو ہنوز جاری ہیں امریکن آرکیالوجیکل ٹیم 1986ء سے اب تک تحقیقی کام کر رہی ہے۔ سابق سوویت یونین کے ماہرین آثار قدیمہ خاص کر قابل تعریف ہیں کہ جنہوں نے سندھ کی تہذیب اور ہڑپہ کی زبان پر کافی تحقیقی کام کیا اور انہیں جس حد تک اور جتنا تحقیق کرنے کا موقع دیا گیا وہ کامیاب بھی ہوئے سوویت ماہرین نے تقریباً تین سو الفاظ کا ترجمہ بھی کیا

مگر دنیا کی یہ قدیم اور اپنی نوعیت کی ترقی یافتہ تہذیب جسے ہڑپہ تہذیب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے دوسرے مسائل کے علاوہ زیادہ اہم مسئلہ اس دور کی زبان سے متعلق ہے جو اس دور میں لکھی پڑھی اور بولی جاتی تھی جواب تک سو سالہ تحقیق کے باوجود پڑھی نہیں جا سکی ہے۔ جس پر ابھی مزید سائنسی خطوط پر تحقیق کرنے کی اشد ضرورت ہے اور اسی طرح نسلی حوالے سے بھی موجودہ تحقیق ناکافی ہے کیونکہ ابھی واضح طور پر مکمل و مستند تحقیق نہیں ہوئی کہ سندھ کی تہذیب کے لوگ کس نسل سے تعلق رکھتے تھے اور یہ عظیم تہذیب کس نسل کی تخلیق ہے۔

باب-2

علم آ ثار قدیمہ کے دیگر شعبے اور اقدامات

ماہر آ ثار قدیمہ جگہ کے انتخاب اور کھدائی کیلئے ابتداء سے آخری اسٹیج تک انتھک محنت' تلاش، جستجو، تحقیق اور مطالعہ کے بعد دریافت شدہ مواد کی سائنسی خطوط پر تحقیقی رپورٹ شائع کرتے ہوئے منظر عام پر لائے جس کے حاصل کردہ نتائج سے مورخ اس متعلقہ قوم کی سماجی' معاشی' سیاسی اور مذہبی حوالے سے مستند تاریخ مرتب کرتے ہیں۔

علم آ ثار قدیمہ میں درج ذیل شعبے قائم اور مختلف اقدامات کئے جاتے ہیں جن کی بناء پر ماہر آ ثار قدیمہ کسی تہذیب یا آرکیالوجیکل سائٹ پر عملی کام کرنے کے ساتھ اس سے پہلے کئے گئے اقدامات سے مدد لیتا ہے جن میں فضائی فوٹوگرافی' گراؤنڈ فوٹوگرافی' شعبہ نقشہ جات' شعبہ آرکیالوجیکل لیبارٹری' شعبہ کتب خوانی اور عجائب گھر قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ علم آ ثار قدیمہ میں قدیم انسانی باقیات کے آ ثار کو دریافت کرنے کیلئے ماہرین جو اقدامات اٹھاتے ہیں ان میں آ ثار کی جگہ کا انتخاب' زمین کی سطحی سروے' ٹوپوگرافک سروے' خندق کھودنے کیلئے جگہ کا انتخاب' کھدائی کی ابتداء' خندق کی کھدائی کے دوران تہہ در تہہ دریافت شدہ مواد و اشیاء کی ڈرائنگ' عمومی دیوار کی لہروں کی ڈرائنگ' خندق کی وقفے وقفے سے فوٹوگرافی' کھدائی کے دوران دریافت شدہ نوادرات کا اندراج ریکارڈ رکھنا' دریافت شدہ نوادرات کو بحفاظت لیبارٹری تک پہنچانا' جہاں آرکیالوجیکل کیمسٹ اس کی دیکھ بھال کے ساتھ اس کی ترتیب اور حفاظت کرتے ہیں لیبارٹری تحقیق کے بعد تحقیق و نتائج کی اشاعت میں سب سے اہم کام ہوتا ہے ان تمام مراحل سے گزر کر نوادرات عجائب گھر میں نمائش کیلئے پیش کئے جاتے ہیں۔

اوپر دیئے ہوئے شعبہ جات اور اقدامات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ علم آ ثار قدیمہ ایک وسیع سائنسی علم ہے جو ماہرین آ ثار قدیمہ کی انتھک محنت کوشش، تحقیق اور تجربے کے بعد قدیم

انسانوں کے سماج کے ہر پہلو پر روشنی ڈال کر اقوام کی مستند تاریخ مرتب کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

(1) تحقیق اور کھدائی کا شعبہ :- آثار قدیمہ کا سب سے اہم شعبہ تلاش اور کھدائی کا ہے یہ کھدائیاں تکنیکی طور پر کی جاتی ہیں اور اعلیٰ منصوبہ بندی و درجہ بندی کے تحت ہوتی ہیں جہاں کہیں بھی کھدائی کرنی ہو سب سے پہلے سائٹ کا انتخاب ضروری ہوتا ہے ہر قدیم آثار میں ایک خاص دور اور ثقافت کے بارے میں پوشیدہ راز ہوتے ہیں انسانی باقیات کی کھدائی سے پہلے جگہ کی دریافت اہم مرحلہ ہے جس کیلئے باقاعدہ سروے کیا جاتا ہے سروے کیلئے تربیت یافتہ عملہ ہوتا ہے سروے کرنے کے بھی مختلف طریقے اور اقسام ہیں ایک طریقہ سطحی سروے ہوتا ہے اس میں سطح زمین سے ملنے والی اشیاء کا موازنہ کسی معلوم شدہ آثار سے کر کے اس کی نسبت قائم کی جا سکتی ہے اس کے علاوہ عمودی کھدائی کا کام محفوظ ریکارڈ اور مکمل تحقیق کے تحت مدفن خزانوں کی تلاش کا کام ہے۔

آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران استعمال کیلئے سامان :- آثار قدیمہ کی کھدائی میں استعمال کیلئے چند اوزار اور آلات کی اشد ضرورت پڑتی ہے جو درج ذیل ہے : درانتی، ہتھوڑا، بیلچہ، گینتی، مٹی اٹھانے کیلئے ریڑھیاں، ٹب، بالٹیاں، برش، ٹوکریاں، نوکیلے اوزار، مختلف چاقو، پیمانے، ناپنے کے فیتے، ڈوری، کمپاس، پلاسٹک بیگ اور نوٹ بک وغیرہ۔

(2) آثار کی کھدائی کیلئے ضروری اوزار و آلات :-

ماہرین آثار قدیمہ جب زمین تلے دفن انسانی آثار و باقیات کو کھوج نکلنے کے لئے کھدائی کا آغاز کرتے ہیں تو اس کام کے لئے مختلف اقسام کے اوزار و آلات کی اشد ضرورت پیش آتی ہیں جن کی فہرست مندرجہ ذیل ہیں درانتی، ہتھوڑا، آری، کلہاڑی، بڑے چمنیاں، گنتی، بیلچہ، پھاوڑا، سیڑی، ٹب، بالٹیاں، مختلف قسم کے برش، جھاڑو، ریڑھیاں، ٹوکریاں، طیشی، رسی، سول، ڈوری، مختلف قسم اور سائز کے فیتے، مختلف سائز کے کیلیں، مختلف سائز کت چاقو، منہ پر پہننے کیلئے ماسک، پلاسٹک کے لفافے، کمپاس، ڈرائینگ کیلئے میز، ڈرائینگ بورڈ، گرافک کاغذ، پینسل، ربڑ، پیمانے، نوٹ بک، اور کیمرہ کا کھدائی کے دوران ماہرین کے پاس ہونا بہت لازمی اور

رضا بلوچ ،تھانہ ٹیلہ خندق نمبر27ہڑپہ میں تحقیق و کھدائی کے دوران
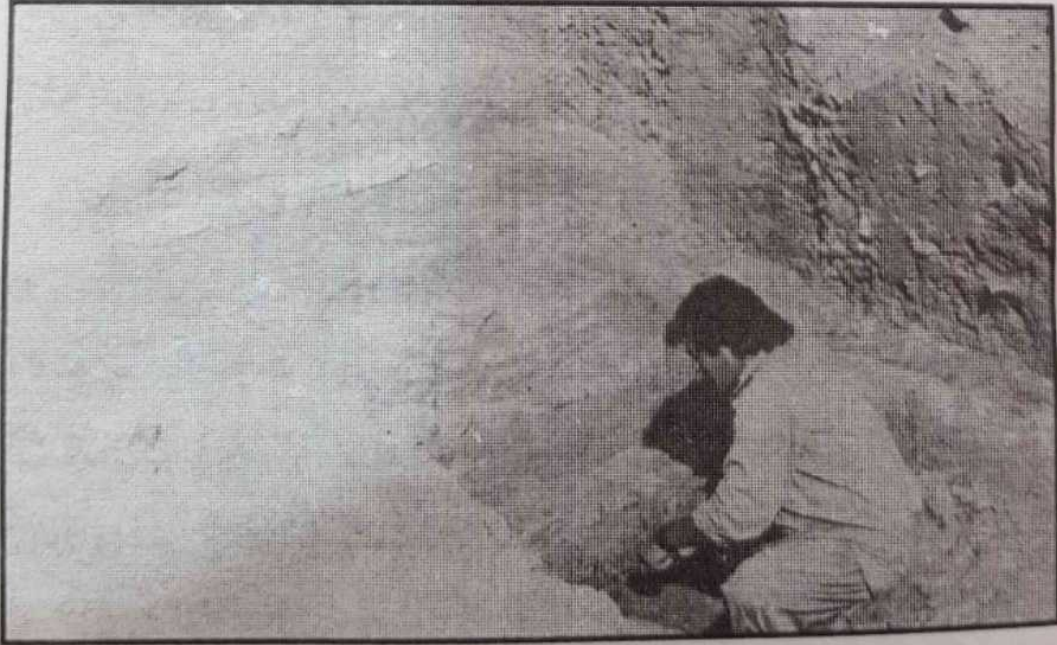
(محمد رضا بلوچ1995ء میں ہڑپہ تھانہ ٹیلہ خندق نمبر27 میں کھدائی کرتے ہوئے)

ضروری ہے۔ جو سائنسی تحقیق کیلئے معاون ثابت ہوسکتا ہیں۔

(3) فضائی فوٹو گرافی :- یہ مدفن انسانی باقیات اور تہذیبی آ ثار کی کھدائی اور تلاش کیلئے بہت ضروری اور معاون ثابت ہوتی ہے فضائی فوٹو گرافی جدید دور میں آ ثار قدیمہ کیلئے اہم کردار ادا کر رہی ہے یہ زیر زمین سطح زمین اور زیر آب تینوں قسم کے آ ثار کی دریافت میں مدد دیتی ہے لیکن پاکستان میں یہ طریقے آ ثار کے تلاش میں کم ہی استعمال ہوتے ہیں خاص کر زیر آب آرکیالوجی اب تک پاکستان میں نہیں اپنائی گئی لہٰذا فوٹو گرافی کیلئے دوسرے ممالک سے مدد لی جاتی رہی ہے اس کے علاوہ آج کل خلائی ایجنسی کے سائنسدان (سیٹلائٹ) کی مدد سے فضائی فوٹوگرافی سے مدد کی جارہی ہے محکمہ آ ثار قدیمہ میں اس شعبہ کا مقصد معقول منصوبہ بندی کے تحت تلاش جاری رکھنا ہے تاکہ مختلف علاقوں میں سے چند اہم جگہوں کا انتخاب کرلیا جائے اور اس کے بعد باقاعدہ جدید خطوط پر تفصیلی تلاش اور کھدائی کی جاسکے۔

(4) گراؤنڈ فوٹو گرافی :- فضائی فوٹو گرافی کی طرح آ ثار قدیمہ میں کھدائی کے علاقے کی گراؤنڈ فوٹو گرافی بھی اہم اور لازمی عمل ہے اس کے ذریعے جگہ کے تعین سے سروے اور کھدائی کی ابتداء تک تمام مرحلہ وار ریکارڈ فوٹو گرافی اور ڈرائنگ کی جاتی ہے جس کے ذریعے کھدائی کی ابتداء سے آخر تک کا مکمل ریکارڈ محفوظ ہو جاتا ہے اس طرح نتائج کی اشاعت میں گراؤنڈ فوٹو گرافی اہم (چشم دید گواہ) کردار ادا کرتی ہے۔

(5) نقشہ جات :- نقشہ جات کا آ ثار قدیمہ میں اہم کردار رہا ہے اور اس کی ضرورت ہمیشہ سے محسوس کی جاتی رہی ہے دنیا بھر کے ممالک اور پاکستان میں قومی اور صوبائی اور ضلعی سطح پر آ ثار قدیمہ کے نقشہ جات دستیاب ہیں جس میں ہر نئے دریافت شدہ آ ثار کے اضافے سے اس کو نقشہ میں درج کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان آ ثاروں کی نشاندہی نقشہ میں درج ہوتی ہے اور جس کی مدد سے آ ثار تک پہنچنے میں بڑی مدد ملتی ہے یہ صوبے یا ملک کا عمومی نقشہ ہوتا ہے۔

آ ثار قدیمہ کا نقشہ جو کسی خاص مقام کو ظاہر کرتا ہے اور ان نقشوں کی وجہ سے جائے وقوع کا طول بلد، عرض بلد، سطح سمندر سے بلندی اور دوسرے آ ثار یا موجودہ دور کے کسی خاص

مقام سے فاصلے کا اندازہ اور پیمائش کی جاتی ہے نقشہ سطح زمین پر نشیب وفراز اور دیگر امور کی بنا پر تیار کئے جاتے ہیں ٹوپوگرافی نقشے سطح زمین کی لہروں اور بلندی وپستی کو ظاہر کرتی ہے اس کے نقشوں کو آسان الفاظ میں مقام نگاری بھی کہا جاتا ہے ان نقشوں کو ایک خاص انداز میں مرتب کیا جاتا ہے۔ سائیٹ کے تمام نشیب وفراز کا تعین سطح سمندر سے کیا جاتا ہے نقشوں کے علاوہ قدیم کتابیں یا قدیم سفرناموں سے بھی آثار کے مقام کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔

(6) نگران شعبہ :- علم آثار قدیمہ کے دوسرے درجہ پر اہمیت کا حامل اور سب سے زیادہ قابل عمل شعبہ نگران (CONSERVATION BRANCH) ہے اس شعبہ کا کام آثار قدیمہ کی یادگاروں کو ان کی اصل حالت میں تحفظ دینے کیلئے نگہداشت کا ہے اس وقت پاکستان میں دو جگہوں پر نگہداشت کا شعبہ قائم ہے جن میں سے ایک حیدرآباد میں واقع ہے جو سندھ اور بلوچستان کے آثار قدیمہ کی نگہداشت پر کام کر رہا ہے یہ شعبہ ماہر نگہداشت کی نگرانی میں کام کرتا ہے اس کے علاوہ ایک اہم کام (PRESEVATION BRANCH) کا ہے یہ ماہر نگہداشت کی زیر نگرانی میں کام کرتا ہے جو کیمیاوی اجزاء کے ذریعے دریافت شدہ مواد کو محفوظ یا برقرار رکھتا ہے اور یہ شعبہ ان دریافت شدہ سامان کی مناسب مرمت کے ساتھ قومی ورثہ کو تحفظ فراہم کرتا ہے جبکہ شعبہ نگہداشت ان کو اپنی اصلی حالت میں برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

(7) کھدائی سے دریافت شدہ نوادرات کی فوری حفاظت ومرمت :-

آثار قدیمہ کے کھدائی سے دریافت ہونے والے اشیاء کو فوری طور پر ہی ابتدائی امدادی جائے جب تک آرکیالوجیکل لیبارٹری تک پہنچایا جائے مدفن اشیاء جو کئی برسوں سے زمین تلے محفوظ اپنے بعد کھدائی کی وجہ سے ایک نئی فضا اور ماحول میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے یہ تبدیلی جسمانی، کیمیائی یا حیاتیاتی ہوسکتی ہے ان تمام مواد کو محفوظ کرنے کیلئے کھدائی کے جگہ پر ماہر نگران شعبہ کا ہونا لازمی ہے تاکہ وہ ان دریافت شدہ نوادرات کو فوری طور پر امداد دے سکے۔ اس کیلئے نگران شعبہ کے ماہر کو کھدائی سے پہلے بھی اس علاقے کا سروے کرنا پڑتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس جگہ کی آب وہوا کیسی ہے۔ زمین میں موجود نمی اور مقناطیسیت کو ریکارڈ کرنا بھی ہوتا ہے

آرکیالوجیکل علاقے میں دریافت شدہ نوادرات کی حفاظت اور مرمت کیلئے چند اہم اقدامات کرنے کی ضرورت ہوتی ہیں ۔جس کیلئے مختلف کیمیکل جوان اشیاء کومضبوط کرنے کیلئے استعمال کی جاتی ہے اسی طرح ان اشیاء کیلئے حفاظتی تدابیر بھی مختلف ہوں گی، کوشش یہ کی جاتی ہےکہ ان نوادرات کو بحفاظت آرکیالوجیکل لیبارٹری تک لے جایا جائے جہاں اس کی مناسب دیکھ بھال کرکے ہمیشہ کیلئے محفوظ کیا جاسکے۔

(8) آرکیالوجیکل لیبارٹری : - نگہداشت (CONSERVATION BRANCH) لیبارٹری آثار قدیمہ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اس شعبہ کا سربراہ ایک ماہر آثار قدیمہ (کیمسٹ) ہوتا ہے اس شعبہ کا کام قابل حرکت اور نا قابل حرکت یادگاروں کی تشخیص معلوم کرنے کے بعد علاج ہے تا کہ ان کی مزید دیکھ بھال کوممکن بنایا جاسکے آرکیالوجیکل کیمسٹ ٹیکسٹائل' لکڑی' دھات اور کاغذ جیسے دوسرے سامان کا علاج اور نگہداشت کرتا ہے لیبارٹری جدید دور میں علم آثار قدیمہ کا قابل بھروسہ اور اہم شعبہ ہوتا ہے لیکن پاکستان میں اس شعبہ کی جانب توجہ نہ دینے کی وجہ سے آج یہ تباہی کا شکار نظر آتا ہے ایک آرکیالوجیکل لیبارٹری میں ہرقسم کے جدید آلات' اوزار اور مشینری کی موجودگی سے ہے ۔جہاں علم آثار قدیمہ کے تجربات کئے جاتے ہیں یہ شعبہ ایک تربیت یافتہ ماہر کی زیرنگرانی کام کرتا ہے اس شعبہ سے منسلک دو اہم ذیلی شعبے بھی ہیں ۔ایک ماڈلنگ کا کام کرتا ہے اور دوسرا فوٹوگرافی کا شعبہ ہے ماہر آثار قدیمہ انتھک محنت' تلاش' تحقیق اور کھدائی کرکے قدیم انسان کے تہذیبی آثار دریافت کرتے ہیں اور اس تحقیق کے نتیجے میں مختلف اقوام اپنی تاریخ مرتب کرتی ہیں۔

(9) تہذیبی آثار اور نوادرات کی عمر کا تعین کرنا :۔ ماہرین آثار قدیمہ کی دوسری مگر بہت اہم اور نازک ذمہ داری دریافت شدہ آثار اور اس سے برآمد نوادرات کی سائنسی بنیادوں پر صحیح تاریخ اور عمر کا متعین اندازہ لگانا ہے۔اس تحقیق کی بنیاد پر دریافت شدہ تہذیب سماجی اقدار، ثقافتی معیار، مذہبی رجحان اور سب سے بڑھ کر زمانہ کا تعین کرنا ہے کہ یہ انسانی معاشرہ کس دور کا ہے اس کیلئے برآمد شدہ مواد کا موازنہ ایسے مواد سے کیا جاتا ہے جو اس سے گہری مماثلت رکھتا ہے

اور دریافت شدہ مواد کی تاریخ پہلے ہی معلوم کی جا چکی ہوتی ہے اور یا پھر تحقیق اور کھدائی کے دوران کتبہ یا سکہ دریافت ہوا ہو جس پر تاریخ کندہ ہو۔

ماہرین آثار قدیمہ قدیم نوادرات اور تہذیبی آثار کی تاریخ معلوم کرنے کیلئے آرکیالوجیکل لیبارٹری میں ٹیسٹ کرتے ہیں جن سے اشیاء کی عمر معلوم کی جاسکتی ہے۔نوادرات کی عمر معلوم کرنے کے بہت سے طریقے ہیں جن میں ریڈیو کاربن اور پوٹاشیم آرگون ڈیٹنگ قابل ذکر ہیں۔ریڈیو کاربن ڈیٹنگ لکڑی، کوئلہ، گھاس، کپڑا، سیپ، جلی ہوئی ہڈی، ہڈیاں اور گوبر سے تحقیق کر کے عمر معلوم کی جاتی ہے اس کے علاوہ پوٹاشیم آرگون ڈیٹنگ کے ذریعے چٹانیں، معدنیات، مٹی کے برتن، آتش دان کی قدامت معلوم کی جاتی ہے ان سائنسی طریقوں سے مختلف ادوار اور تاریخ کی درجہ بندی کر کے عمر معلوم کی جاسکتی ہے

(10) ٹوپوگرافک سروے:- قدرتی اور انسان کے بنائے ہوئے کسی بھی ڈھانچے کی سطح زمین سے بلندی کو ریکارڈ کیا جاتا ہے۔

(11) کتب خوانی:- قدیم کتب اور دستاویزات کے مطالعہ کے علم کو کتب خوانی (پیلیو گرافی) کہتے ہیں جس کا کتب خوانی کے علم آثار قدیمہ میں کافی عمل دخل رہا ہے بلکہ اب کتب خوانی علم آثار قدیمہ کی ایک الگ شاخ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے جس کی مدد سے علم آثار قدیمہ کے ماہرین قدیم کتب اور دستاویزات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں جس کے ذریعے یہ ان قدیم تہذیبوں کی زبان، تحریر، واقعات، مذہب اور ثقافت سے متعلق معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔

(12) عجائب گھر:- یہ محکمہ آثار قدیمہ کا اہم اور انتہائی ضروری ادارہ ہے جو ایک یادگار قدیم تاریخی عمارت میں یا جدید عمارت جسے خاص طور پر ڈیزائن کر کے تعمیر کیا گیا ہو میں قائم کیا جاتا ہے اس تناظر میں عمارت کا نقشہ اور منصوبہ بندی کی جاتی ہے تاکہ یہ عمارت مکمل طور پر ایک جدید عجائب گھر کے تمام لوازمات پورے کر سکے اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ یہ ادارہ ساکن یا غیر فعال ہے اس شعبہ کا منصوبہ اس علاقہ کے ثقافتی نمونوں کی نمائش کرنا مقصود ہے غیر منقسم برصغیر کی تاریخ میں عجائب گھر 1851ء میں شروع ہوئے جبکہ وکٹوریہ کا عجائب گھر کراچی میں تعمیر کیا گیا فی

الحال پاکستان میں عجائب گھر کی برانچ نیشنل میوزیم کی نمائندگی کرتے ہیں اس دریافت اور تحقیق
کے بعد تہذیبی آثار اور ثقافتی مواد کو نمائش کی غرض سے عجائب گھر میں سجایا جاتا ہے عجائب گھر کی
نگرانی ایک میوزمیالوجسٹ کرتا ہے جسے کیورٹر کہتے ہیں جس کا تعلق محکمہ آثار قدیمہ کے نگران
شعبہ (CONSERVATION BRANCH) سے ہوتا ہے۔

باب-3

علم آثار قدیمہ کی دیگر موضوعات سے وابستگی

علم آثار قدیمہ بحیثیت سائنسی مضمون قدیم انسانوں کی تہذیبی' سماجی' جغرافیائی' ارضیاتی' نباتاتی' حیاتیاتی' تاریخی زندگی کا مطالعہ کرتا ہے اس کیلئے ماہرین آثار قدیمہ اپنے مطالعہ کو وسیع اور جامع بنانے کیلئے ان کے سائنسی مضامین کا بغور مطالعہ اور ان سے تحقیق میں کافی مدد حاصل کرتے ہیں۔

(1) علم ارضیات :- چٹانوں اور زمین کی طبعی تاریخ اور ساخت اس میں واقع ہونے والے تغیرات کے مطالعہ کو علم ارضیات (جیالوجی) کہتے ہیں حیاتیات' نباتات اور انسانوں کی بہت سی قبل از تاریخ کی مصنوعات کے انکشافات درحقیقت ارضیات کے ہی مرہون منت ہیں۔ علم ارضیات علم آثار قدیمہ کے مقابلے میں زیادہ قدیم ہے ماہرین ارضیات کی تحقیق ہی کا نتیجہ ہے کہ کرہ ارض میں قدیم ترین چٹانوں کی تشکیل کب اور کس طرح شروع ہوئی ہم ارضیات کی سائنس کیلئے ایک تاریخی شجرہ پیش کر سکتے ہیں تب ہی آثار قدیمہ میں انسان اور اس کی ثقافت کے وجود کی عمر کا اندازہ ہو سکے گا۔ ماہر آثار قدیمہ نے ارضیات کے اس طریقہ کو عمر متعین کرنے کیلئے استعمال کیا جب ماہر آثار قدیمہ بہت ہی قدیم تہذیبوں کی دریافت شدہ اشیاء اور نوادرات کی عمر معلوم کرنا چاہتا ہے تو اس کو مکمل طور پر ارضیات اور معدنیات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

(2) حیاتیات ونباتات :- پودوں اور اجسام کی زندگی کے مطالعہ کو علم حیاتیات اور قدیم پودوں کا مطالعہ نباتات کہلاتا ہے قدیم پودوں کا مطالعہ انسان ان سے روابط کی بنیاد پر کیا جاتا ہے علم نباتات وحیاتیات سے ماہرین آثار قدیمہ کو بہت مفید اور اہم معلومات حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ انہیں یہ دریافت کرنے میں آسانی ہوتی ہے کہ انسان نے کب اور کن حالات اور ماحول میں باقاعدہ کھیتی باڑی کا آغاز کیا دنیا کی مختلف جگہوں پر کھیتی باڑی کا آغاز ایک ہی وقت

(بلوچستان سے دریافت شدہ مٹی کے برتن)

میں نہیں ہوا بلکہ ان علاقوں میں جہاں خودرو پودے اور فصلیں زیادہ توانا اور وافر مقدار میں تھیں وہیں فصلوں کی با قاعدہ کاشت بھی شروع ہوئی سات ہزار سال قبل مسیح میں بلوچستان میں منظم شہروں کا ثبوت ملا ہے بلوچستان میں مہر گڑھ کی مدفون بستی کی دریافت جس کا تازہ ثبوت ہے اس دور میں صنعت کافی ترقی یافتہ تھی قدیم زمانے کی ان جگہوں کا مطالعہ و تحقیق کرنا جہاں اناج کا ذخیرہ کرنے کی جگہ کا دریافت ہونا یا وہاں پائے جانے کا امکان ہونباتات کا ہی ایک شعبہ چٹائیوں اور ٹوکریوں کی صنعت کا مطالعہ بھی کرتا ہے ماہر آثار قدیمہ کی دلچسپی زیادہ تر اس بات میں ہوتی ہے کہ وہ جس علاقے کی کھدائی کرے وہاں کے لوگوں کی خوراک کے بارے میں مکمل معلومات اکٹھی کرے۔

(3) علم کیمسٹری:- کیمسٹری وہ علم ہے جو مصنوعی و قدرتی یا ترکیبی مرکبات کے امتزاج کا مطالعہ کرتا ہے۔ آثار قدیمہ میں چیزوں کی حفاظت اور مرمت کے علاوہ نوادرات کی دیکھ بھال علم کیمیاء کی مدد سے کی جاتی ہے آثار قدیمہ کی تحقیق میں لیبارٹری اور کیمسٹری کی ہر لحہ ضرورت پڑتی ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ دریافت شدہ مواد اور ان کے مثبت نتائج حاصل کرنے کیلئے آرکیالوجیکل لیبارٹری اور کیمسٹری کے بغیر ممکن نہیں اس لئے علم کیمیاء کی اہمیت اور افادیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

(4) حیوانات :- علم آثار قدیمہ کی ایک شاخ آرکیوزولوجی کہلاتی ہے اس علم کے ذریعے جانوروں کی ہڈیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے جس سے معلوم کیا جاتا ہے کہ قدیم دور کے انسان کن کن جانوروں کو پالتے تھے اور کون سے جنگلی جانور اس علاقے میں پائے جاتے تھے آج کل آرکیوزولوجی الگ شعبہ کی حیثیت اختیار کرتا جا رہا ہے۔

(5) جغرافیہ :- علم جغرافیہ ان تمام طبعی یا غیر طبعی اشیاء سے بحث کرتا ہے جو اپنے باہمی اختلافات کے ساتھ زمین کی سطح پر موجود ہیں یہ علم ایک متحرک اور منظم سائنس ہے جو تمام عمرانی علوم کا قدرتی علوم کے ساتھ تعلق پیدا کرتی ہے اس لحاظ سے انسان کو اپنے قدرتی ماحول سمیت ایک لازمی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے اور جغرافیہ کا سارا علم اس مرکزی نقطے کے گرد گھومتا ہے

جغرافیہ دانوں کا تعلق روئے زمین پر اختیار کئے جانے والے تمام انسانی پیشوں سے بھی ہے اور ان کی علاقائی ہم آہنگی اور اختلافات سے بھی۔ البیرونی نے انسان کے سماجی، معاشی اور تہذیبی معاملات پر جغرافیائی عوامل کے مابین عمل کا تجزیہ کرنے کیلئے ایک ملک کو علاقائی ڈھانچے کے مطالعہ میں ایک اسٹیج مانا اس کے مطابق قوموں کی تاریخیں ان کے سیاسی ڈھانچوں کے اور ان کے جذبات کو جغرافیائی پس منظر میں سمجھا جا سکتا ہے جغرافیہ دانوں نے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرنے کیلئے جغرافیہ کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر دیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(i) طبعی جغرافیہ

(ii) علاقائی جغرافیہ

(iii) تذکراتی جغرافیہ

(iv) ریاضیاتی جغرافیہ

جغرافیائی حالات کا تہذیب و تمدن کی سرگرمیوں پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے ہر بڑے دریا کی وادی تہذیب و تمدن کا گہوارہ اور مرکز رہی ہے اور ان دریاؤں کے کنارے انسانی آبادی بڑھتی اور پھلتی رہی بنابریں مختلف اقوام اور ممالک میں تبدیل ہو گئیں جیسے نیل کے کنارے دجلہ و فرات کے کنارے میسوپوٹیما ئر اور دریائے بولان کے کنارے مہر گڑھ اور اسی کا تسلسل اور ترقی یافتہ شکل دریائے سندھ کے کنارے موہنجوداڑو اور دریائے راوی کے کنارے ہڑپہ قابل ذکر ہے۔

(6) تاریخ:- تاریخ (ہسٹری) یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی تحقیق اور مطالعہ کے ہیں جو ماضی کے تمام تجربات اور واقعات کے خزانہ کو محفوظ کرتا ہے جو انسانی تہذیب و تمدن کی بنیاد کو سہارا دیئے ہوئے ہے تاریخ کے قوانین سائنسی بنیادوں پر ترتیب دیئے گئے ہیں اس کے مواد کے مطالعہ اور تحقیق کے طریقے وضع کئے گئے سکول، کالج اور یونیورسٹی میں تاریخ کی تحقیق، اور عملی وسائل کا ادراک شروع ہوا اس طرح تاریخ کا علم ایک سنجیدہ اور سائنسی علم بن گیا تاریخ اٹمل بے جوڑ واقعات، بادشاہوں یا دیگر افراد کی زندگیوں اور اتفاقات و حوادث کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ یہ مادی حالات کے ارتقاء کے شانہ بشانہ سبب اور نتیجے کے رشتے سے جنم لینے والے
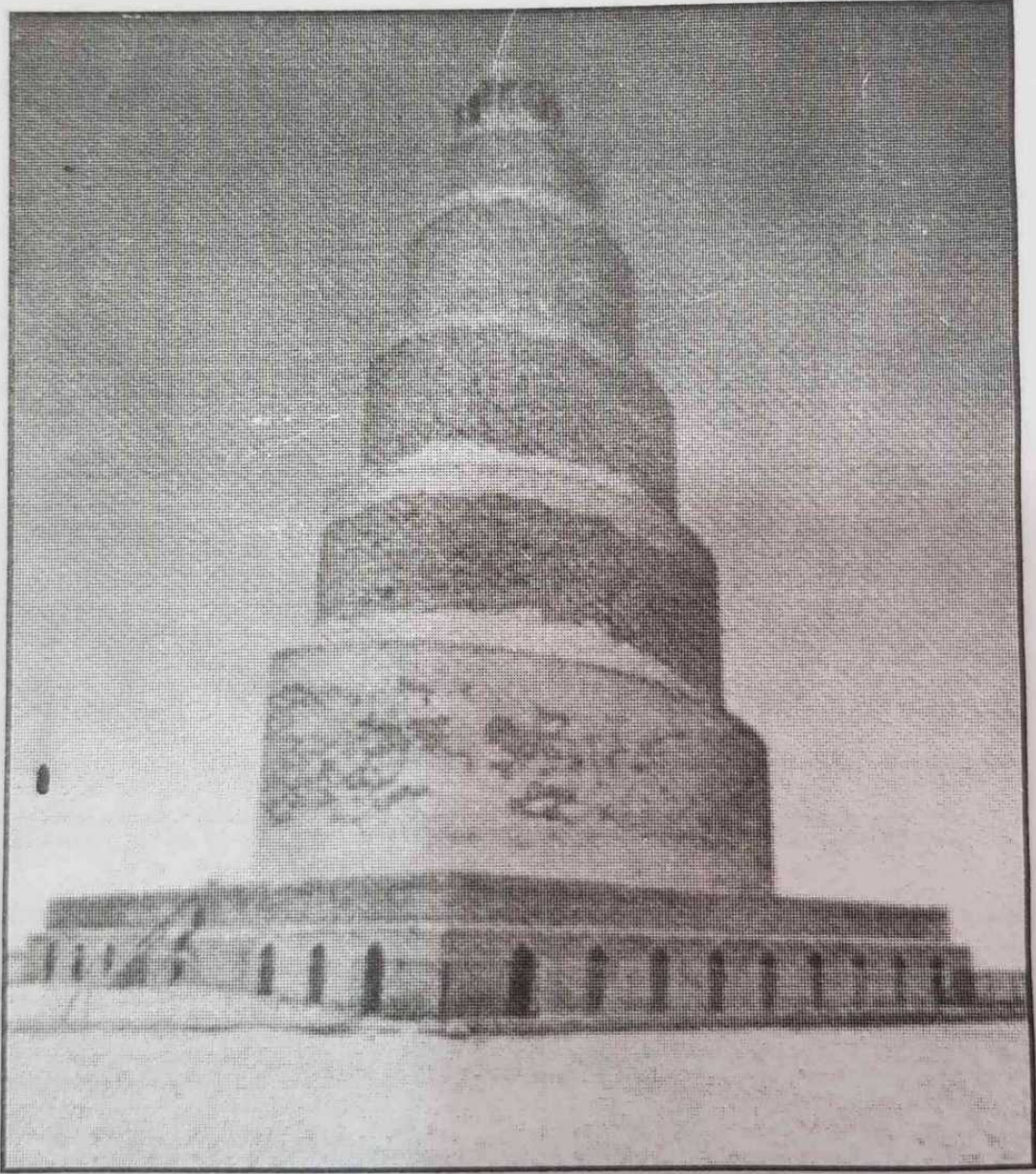
(بابل کا عظیم مینار)

قابل فہم اور مربوط حالات کا ارتقاء ہے تاریخ اتفاقات سے جنم نہیں لیتی تاریخ سازش سے نہیں بنتی یہ اندرونی مادی حقائق کی جائز تخلیق ہوتی ہے اسی طرح تاریخ اپنے کو نہیں دہراتی یہ ارتقائی عمل ہے اور ایک مرحلے پر انقلابی ہے یہ مادی حالات کی ترقی کا براہ راست نتیجہ ہے یہ انسانی خواہشات سے آزاد اور عظیم انسانوں کی کاوشوں سے بے نیاز سماجی قوانین کے تحت اپنی سمت میں سفر کر رہی ہے تاریخ کے آگے کی حرکت ناگزیر اور اٹل ہے سماج کے قوانین ارتقائی سے انکار کا مطلب ہے تاریخ کو سمجھنے اور سائنسی نقطہ نظر سے انکار ہے۔

(7) سماجیات:- سماجیات کا ماضی طویل ہے مگر اس کی تاریخ مختصر اور چودھویں صدی کے مشہور مورخ ابن خلدون نے اپنی کتاب ''مقدمہ تاریخ'' میں لکھی دنیا کے تمام دانشور اس بات پر متفق ہیں کہ ابن خلدون کی یہ کتاب سماجیاتی فکر سے بھرپور ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سے مفکرین اور فلسفی ان کو بابائے سماجیات کہتے ہیں ابتدائی دنوں میں یورپ کے بعض فلسفی اور مفکرین نے سماجیات کو تاریخ کا نام دیا تقریباً تمام فلسفی اور مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ ایسے مورخ جو سماجیات سے ناآشنا ہوں مورخ کہلانے کے مستحق نہیں ہو سکتے اور اسی طرح اگر ماہر سماجیات جو تاریخی دائرہ عمل اور رجحانات سے ناآشنا ہے تو وہ ماہر سماجیات نہیں کہلا سکتا سماجیات انسانی گروہوں کے مابین عمل کا علم ہے سماجی علم کا تعلق انسانی زندگی سے ہے لہٰذا ان تمام علوم کا موضوع بحث انسانی کردار ہے اور انسانی کردار مختلف عنوانات کے تحت اس وقت سے زیر بحث ہے جب سے انسان کی اجتماعی زندگی کا آغاز ہوا ہے علم سماجیات کا مطالعہ اور سمجھنے کیلئے سماجیات کے موضوعات ہیں حسب ذیل کو خاص اہمیت حاصل ہے سماجی نظام، سماجی ڈھانچہ، سماجی ادارے، سماجی تعلقات، سماجی طریق، سماجی تبدیلیاں وغیرہ انسانی زندگی ایک نہایت وسیع موضوع ہے یہی وجہ ہے کہ مطالعہ کی سہولیات کی خاطر ہر علم کا الگ الگ موضوع متعین کرنا بہت ضروری ہے کسی علم کے موضوع بحث سے مراد وہ تمام مسائل ہیں جن پر ایک خاص زاویہ سے ایک خاص مقصد کیلئے روشنی ڈالی جاتی ہے یہی حال سماج کا بھی ہے سماج کا مطالعہ معاشی، سماجی، مذہبی، نفسیاتی، اعتقادی، روایتی، تمدنی، تہذیبی اور کئی دوسرے طریقوں سے کیا جا سکتا ہے موضوع ایک ہی ہے لیکن زاویہ

نگاہ مختلف موضوع بحث کا تعین اور اس کی وضاحت ایک نہایت ہی نازک مگر دقیق مسئلہ ہے خصوصاً سماجی علوم میں ہر مسئلہ زیادہ دشوار بن جاتا ہے کیونکہ انسانی زندگی کے مختلف پہلو اس قدر ایک دوسرے کے پابند اور زیر اثر ہیں کہ معاشی زندگی کو سماجی زندگی سے، سماجی زندگی کو مذہبی زندگی سے مذہبی زندگی کی سیاسی زندگی سے الگ نہیں کیا جا سکتا مندرجہ بالا علوم کے علاوہ اور بہت سے مضامین ہیں جن کی علم آثار قدیمہ کے ساتھ ساتھ مطالعہ اور وابستگی اہمیت رکھتی ہے جن میں نفسیات، ماحولیات، زراعت، تعمیرات اور فنون لطیفہ نہایت قابل ذکر ہیں تمام مضامین اور شعبوں کے بغیر علم آثار قدیمہ کی تحقیق مطالعہ تلاش اور نتائج ادھورے اور ایک طرح سے ناممکن ہیں۔

باب:4

بلوچستان میں رکاز 'فاسلز' کی باقیات

رکاز (فاسل Fossil) کسی بھی زندہ جاندار اور نباتات جسم 'شئے' کے پتھرائے ہوئے ڈھانچے کو کہتے ہیں۔ جو لاکھوں کروڑوں سال پہلے اکثر مٹی تلے دبے رہنے کی وجہ سے پتھرائے ہوئی کلی یا جزوی طور پر اس شکل کو ظاہر کریں ایسے آثار یا باقیات کو رکاز مجرات 'فاسل' کہتے ہیں۔ ان کی باقیات جن کی صحیح تاریخیں بتائی جا سکتی ہیں وہ ارضیاتی عہد کے آخری دور یعنی چوتھے حصے میں واقع ہیں۔ اس عہد کو بھی دو مختصر حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول جدید طبقات الارض جو دس لاکھ سال پہلے شروع ہوا اور دوئم جدید حجری عہد جو تقریباً دس ہزار سال قبل مسیح سے کچھ پہلے شروع ہوا انسانی رکاز کے زیادہ تر مراحل جدید عہد نو کا انسان پوری طرح جدید انسان ہو گیا تھا۔

جدید طبقات الارض کے رکاز کی تاریخ کو متعین کرنے کیلئے تین طریقے رائج ہیں۔ اول' موسمیاتی 'معطبات' دوئم۔ معدنیات معطبات اور آخری ثقافتی تغیرات۔ اوائلی انسان کی موجودگی کا ثبوت نہ صرف اس کی رکازی باقیات سے ملتا ہے۔ جو کسی حد تک معیاری اشکال بن چکے ہیں۔ دریافت شدہ رکاز جو خود دلیل ہے۔ ان خزانوں کی جو زمین نے اپنے سینے میں لاکھوں کروڑوں سال پہلے چھپا کر حفاظت سے رکھے ہیں۔ بلکہ ان کو دھرتی ماں نے محفوظ کیا ہوا ہے۔ اپنے آنے والے بچوں کیلئے یہ ان جانداروں اور نباتات کے پتھرائے ہوئے ڈھانچے ہیں جو لاکھوں کروڑوں سال پہلے زمیں پر محترک تھے۔ یہ رکاز مختلف زمانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور زمانی ترتیب سے ان کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جتنا قدیم پودا یا جاندار ہے اس کی ساخت اتنی ہی سادہ ہے۔

خفیف نزدیکی زمانے مین قدیم بندر اور انتہائی قدیم انسان نما مانس وجود میں آئے جن کا زمانہ تقریباً تین کروڑ چالیس لاکھ سال قبل ہے اس کے دانت بن مانس اور انسان کی طرح 32 تھے۔ شاہد یہ براہ راست انسان کے جدی دائرے میں نہیں آتا اس کے رکاز مصر میں
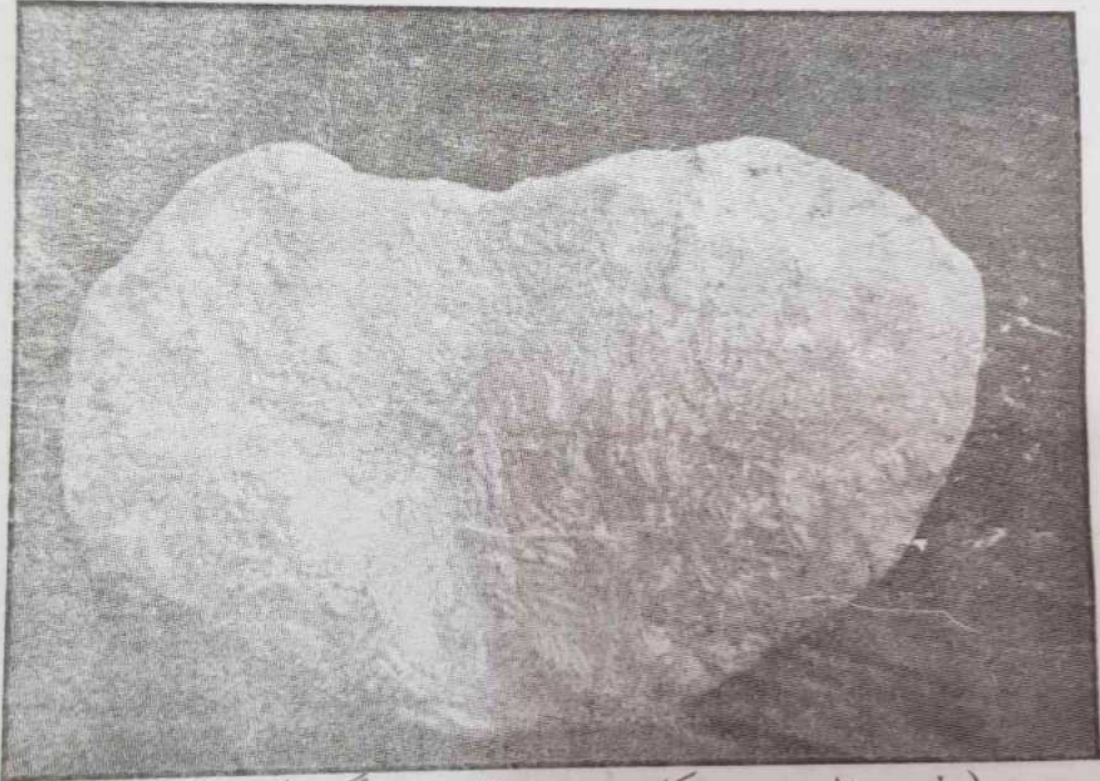
(بلوچستان، سپین کاریز سے دریافت شدہ گندم کے فاسلز)

قاہرہ سے جنوب مغرب میں ایک نشیبی جگہ سے ملے ہیں جس کا نام ''فایوم'' ہے۔ ''فایوم'' سے خفیف نزدیکی زمانے کے جو رکاز ملے ہیں ان میں جھاڑیوں کے وافر رکاز شامل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ علاقہ وسیع جنگلات کا تھا۔ مصر کے فایوم ہی سے خفیف نزدیکی زمانے کے جو رکاز ملے ہیں ان میں کئی قسم کے قدیم بن مانس بھی شامل ہیں جن میں سے ایک مشہور جس کو ماقبل زاہد مانس (پیر پیتھے کس) کا نام دیا گیا ہے۔ اس کا زمانہ کروڑوں سال قبل کا ہے۔ افریقہ اور یورپ میں پچاس انواع کے ڈھانچے دریافت ہوئے ہیں جن کو 20 قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ انہی میں مشہور 'دیوقامت مانس' (ڈراپیو پیتھے کس) بھی شامل ہے اس کے ڈھانچے فرانس میں 1856ء میں ملے تھے۔ اسی جانور کے کثیر تعداد میں مکمل ڈھانچے بعد میں مشرقی افریقہ میں بھی ملے جو اسی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سارے جانور ایک آتش فشاں زمین پھٹنے اور لاوے میں دب جانے کی وجہ سے رکاز شکل میں محفوظ رہ گئے۔

اس زمانے میں کرہ ارض کی تاریخ کا سب سے دراز قامت جانور 'بلوچی تھیریم' بلوچستان میں پایا جاتا تھا۔ اس کا زمانہ 2 کروڑ 60 لاکھ سال قبل کا ہے۔ بلوچی تھیریم درختوں کے پتے کھانے والا بغیر سینگ کا جانور تھا۔ جس کا قد کندھے تک 18 فٹ تھا۔ ارتقاء حیات میں شروع سے اب تک کا یہ سب سے بھاری بھرکم اور دراز قامت زمینی شیر دار جانور تھا۔ اس کی کھوپڑی گوکہ جسم کے مقابلے میں بہت چھوٹی تھی۔ مگر پیر چار فٹ لمبے تھے اور اس کی اگلی ٹانگیں نسبتاً لمبی تھیں۔ اور یہ اونچے درختوں کی شاخوں کے پتے کھاتا تھا۔ جدید گینڈے اسی کی نسل سے مانے گئے ہیں۔

بلوچستان کے علاقے ڈیرہ بگٹی میں فرانسیسی ٹیم نے 1996ء میں بلوچی تھیریم کی تقریباً ایک سے زیادہ ہڈیاں دریافت کیں پہلی بار 1911ء میں بلوچی تھیریم کا نام اس وقت عالمی ذرائع ابلاغ میں آیا جب حکومت برطانیہ کے زیر انتظام ''نیشنل جیوگرافک'' کے تعاون سے کیمبرج یونیورسٹی کے 'سی فورسٹر کوپر' نے ڈیرہ بگٹی کے علاقے میں کھدائی کی، پھر 52 سالوں کے
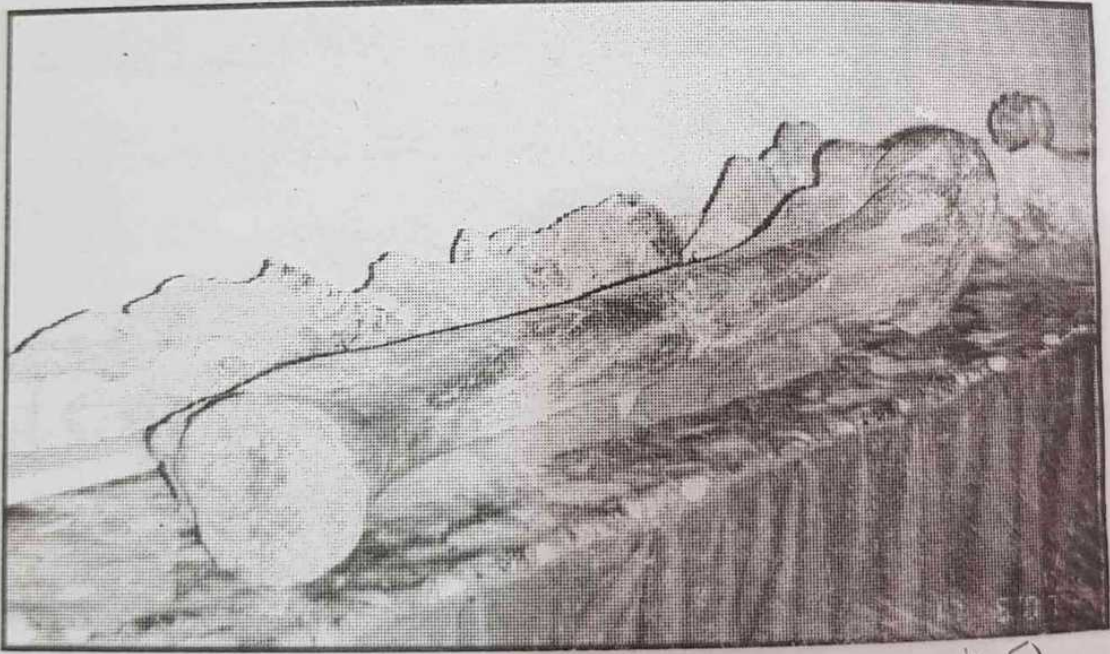
(کوئٹہ، جی ایس پی میوزیم کوئٹہ میں رکھے ڈائنو سار کے فاسلز)

بعد 1963ء میں ڈیرہ بگٹی سے ایک اور بلوچی تھیریم کا ڈھانچہ برآمد ہوا۔ جیوگرافک کو 1933ء میں وسط ایشیاء میں صحرا گوبی اور منگولیا کے علاقوں سے بھی بلوچی تھیریم کے ڈھانچے ملے اس وقت سائنسدانوں کی یہ حتمی رائے تھی کہ یہ ڈائناسار کے بعد خشکی کا سب سے بڑا جانور ہے۔

بلوچستان کا صحرائی علاقہ کروڑوں سال قبل سمندر پر مشتمل تھا۔ بعد میں یہ علاقہ خشکی کا حصہ بن گیا۔ بلوچستان میں تقریباً 7 کروڑ 50 لاکھ سال قبل مختلف نسل کے ڈائنوسار گھنے جنگلوں والے اس خطے میں آباد تھے۔ جیالوجیکل سروے آف پاکستان کے ماہر ارضیات محمد صادق ملکانی نے بارکھان شہر سے 35 کلومیٹر دور ''ویٹا کری'' کے علاقے سے فروری 2001ء کو رکاز برآمد کئے یہ ہڈیاں تہہ دار چٹانوں سے ملی ہیں۔ ہڈیوں کی ابتدائی تحقیق سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کئی مختلف قسم کے ڈاہنوسار بڑی تعداد میں تقریباً 7 کروڑ سال قبل بلوچستان کے اس علاقے میں آباد تھے۔ دنیا میں سب سے بڑا بسنے والا جانور جو تقریباً 80 ٹن وزنی ہوتا تھا۔ جس کی اونچائی سات میٹر اور لمبائی پچیس میٹر تک ہوتی تھی۔ ڈائنوسار کی ہڈیوں کے فاسلز سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ اس وقت بھی بلوچستان کا یہ خشک علاقہ ایک بہت بڑی چراگاہ رہا ہوگا۔ جس میں چھوٹے بڑے ڈائنو سار پرورش پا رہے تھے۔ ضلع بارکھان کے علاقے میں سولہ مقامات سے ڈائنوسار کی تقریباً ڈیڑھ ہزار ہڈیاں برآمد ہوئیں یہ تمام فاسلز ''جیالوجیکل سروے آف پاکستان کوئٹہ'' میوزیم میں نمائش کیلئے رکھے گئے ہیں۔ اس دریافت کی وجہ سے دنیا بھر کے ارضیائی سائنسدانوں کی توجہ ہمارے بلوچستان کی طرف ہو جائے گی اور بلوچستان کا ہر غیر افتادہ علاقہ سائنس تحقیق کا ایک اہم مرکز بن جائے گا۔

جیالوجیکل سروے آف پاکستان وفاقی حکومت وزارت پیٹرولیم وقدرتی وسائل کے زیرنگرانی چلنے والا ایک فعال ادارہ ہے جی ایس پی ملک بھر میں ارضیاتی، نقشہ کشی، سروے اور زیر زمین قدرتی وسائل کی تلاش میں ہمہ وقت مصروف عمل رہتا ہے معدنیات کی تلاش، آبی وسائل ارضیاتی طبقات کی تاریخ، لاکھوں کروڑوں سال پہلے ان کے وجود کا باعث بننے والے ماحول کا علم

،ارضیاتی ٹوٹ پھوٹ ،موسمی تغیرات اور زلزلوں کے اسباب کے بارے میں تحقیقات جیسے فرائض بھی جیالوجیکل سروے آف پاکستان کے ذمے ہیں۔

جی ایس پی کے میوزیم میں بلوچستان سمیت ملک بھر کے مختلف ادوار کے مختلف انواع کے فاسلز دریافت کر کے رکھے گئے ہیں پب وحشی بلوچستانس 7 کروڑ سال قدیم مگرمچھ کا نام ہے جس کے جبڑے کا نہایت اہم حصہ واضح شکل میں بلوچستان سے دریافت ہوا ہے قدیم مگرمچھ کی رکاز و باقیات جنوبی امریکہ کے بعد پہلی بار بلوچستان سے دریافت ہوئی ہیں اس کے علاوہ 2004ء میں صادق ملکانی نے پاکی سارس بلوچستانی کے رکاز دریافت کئے یہ سبزہ فور ٹائٹانوسارس جس کو درمیان سے کچھ بڑے جسامت والے ڈائنوسارز کہتے ہیں یہ ڈائنوسار کریٹےشیئس عہد کے آخری دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

بلوچستان سے ٹائٹانوسار کی پانچ اقسام 2000 میں دریافت ہوئی ہیں ان دیافتوں کے بعد ڈائنوساز کی مزید پانچ اقسام ملی ہیں۔

1) پاکی سارس

2) سلیمان سارس

3) کھیترانی سارس

4) مری سارس

5) بلوچی سارس

یہ بلوچستان کے نام پر رکھا گیا ہے ان ڈائنوسارز کی شناخت کے نزدیک پائی جانے والی لہروں کی بنیاد پر کی گئی ہے تاہم کچھ ڈائنوسارز میں دیگر جسمانی ہڈیاں بھی ملتی ہیں ملکانی جو جیولوجیکل سروے آف پاکستان سے 1988ء سے وابستہ ہیں انہوں نے 2000 میں بلوچستان کے علاقے بارکھان سے ڈائنوسار کی باقیات دریافت کیں فیلڈ جیالوجسٹ کے طور پر معدنیات کی تلاش اور نقشہ سازی ان کی بنیادی ذمہ داری میں شامل ہے آپ نے ڈائنوسارز ہی دریافت کیں بلکہ اس علاقے کا قدیم نقشہ بھی مرتب کیا ہے جسے ہم سب قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

بلوچستان تہذیبی آثار اور باقیات کے علاوہ نباتاتی اور معدنیاتی دولت سے بھی مالا مال خطہ ہے۔ اس خطہ میں سینکڑوں کی تعداد میں قدیم تہذیبی' نباتاتی اور معدنیاتی آثار و باقیات موجود ہیں۔ کوئٹہ سے تقریباً 25 کلومیٹر مشرق کی جانب واقع سپین کاریز سے کچھ فاصلے پر جولائی 1999ء میں سروے کے دوران کافی تعداد میں سمندر حیاتیات' نباتاتی رکاز ملے سروے میں میرے ساتھ آرکیالوجیکل انسٹی ٹیوٹ آف لندن کے آرکیالوجسٹ' مسٹر ارمان دو اور بلوچستان یونیورسٹی کے جیند خان جمالدینی شامل تھے۔ سروے کے دوران ہمیں قدیم سمندری سیپی' مچھلی اور سٹارفش کے رکاز کافی تعداد میں ملے اور ساتھ ہی مونگ کی دال کے دانے' گندم اور اس کے علاوہ جنگلی درختوں کے تنے اور پتے پورے علاقے میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جن کو ہماری ٹیم نے دریافت کیا۔ یہاں ہمیں گندم' دال' سٹارفش اور سمندری مچھلی کے رکاز بیک وقت ایک ہی جگہ پر ملے' سمندری حیات کے رکازوں سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے۔ کہ کروڑوں سال قبل بلوچستان کا تقریباً سارا علاقہ سمندر پر مشتمل رہا ہوگا۔ سپین کاریز جو کوئٹہ شہر سے تقریباً 25 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں سے مچھ شہر تک جو تقریباً 73 کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ اس علاقے میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ سینکڑوں کوئلہ کانوں میں کئی سالوں سے کام کر رہے ہیں۔ جن میں مشہور کوئلہ کان' سنجاوی' سنجدی' ڈیگاری' ماواڑ' شہ رگ اور مچھ کی ہزاروں کان شامل ہیں۔ زندہ جاندار' نباتاتی' معدنیاتی رکاز کے علاوہ اس پورے علاقے میں بہت سے انسانوں کے تہذیبی آثار بھی موجود ہیں۔

تین کروڑ سال پہلے کوہ سلیمان اور کیرتھر کے پہاڑی سلسلے پوری طرح وجود میں آ گئے اسی دور میں کوہ سلیمان کے جنوب اور جنوب مغرب اور کوہ کیرتھر کے مشرق اور شمال مشرق میں یعنی کوئٹہ وادی کے شمال مشرق میں ہنہ اوڑک، شاہرگ اور ہرنائی سے لے کر سبی تک ایک میدانی اور زیریں علاقہ وجود میں آیا جس میں ندی نالے اور دریا موجود تھے اور کیرتھر کے مشرقی اور سلیمان کے جنوب مغربی دامن پر موجود فیس (Fans) میں انہی پہاڑوں سے لائی ہوئی مٹی، ریت اور بجری تہہ در تہہ جمع ہوتی رہیں یہ سلسلہ پچھلے 20 ملین (2 کروڑ) سالوں سے اب تک جاری ہے

اس زیریں میدانی علاقے اور پہاڑ کے دامن میں نباتات اور حیوانات بکثرت پائے جاتے تھے جن کے رکازات (Fossils) میں مختلف اقسام کی لکڑی اور جانوروں کی ہڈیاں شامل ہیں جو اب پتھر بن چکی ہیں اس دور کی پتھر شدہ لکڑی اور ہڈیوں میں بعض تو بہت نایاب ہیں اور اس علاقے کے علاوہ کہیں نہیں ملتیں اس دور کی لکڑی کے بعض رکازات نایاب قسم کی درخت کے ہیں جنہیں Bombacoxilon Omanil کہتے ہیں جو کہ ایشیاء میں کہیں اور نہیں ملتے اس کے علاوہ زرغون کے پہاڑی سلسلے میں نایاب قسم کے حیوانات یعنی میمت (Mamoth)، دو انگلیوں والے گھوڑوں، مگرمچھ، ہاتھی اور چلنے والی وہیل کی (جو ایک نایاب قسم کا Reptile ہے) پتھر شدہ ہڈیاں ملتی ہیں۔

تقریباً 20 ملین (2 کروڑ) سال پہلے ہمارے زرغون پہاڑ کا وجود بھی نہیں تھا بلکہ یہاں پر ایک زیریں علاقہ یا وادی موجود تھی جس میں ریت، مٹی اور بجری کے تہہ در تہہ جمع ہونے کے ساتھ ساتھ حیوانات اور نباتات بھی موجود تھے اسی دوران انڈین اور یوریشین براعظموں کا ٹکراؤ بدستور جاری رہا بلکہ بعد کی دور میں (تقریباً ایک ملین سال پہلے) ٹکراؤ میں شدت واقع ہوئی جس کے نتیجے میں زرغون کا زیریں علاقہ بھی تیزی سے اٹھنا شروع ہوا بلکہ آج تو اس کی بعض چوٹیاں ''دنیکانوسر'' کوہ کیرتھر کی مہردار چلتن اور تکتو سے بھی زیادہ اونچی ہیں۔

بلوچستان میں جیالوجی اور آرکیالوجی کے شعبے میں جو تحقیقی کام ہوا ابھی تک تو نامکمل اور غیر نتیجہ خیز ہے جس پر مزید جدید سائنسی خطوط پر تحقیقی کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ جو علم کے میدان میں بہت کارآمد اور مفید ثابت ہوں گے۔ قدیم تہذیبی آثار کی طرح بلوچستان جیالوجیکل میدان میں بھی دنیا کا امیر ترین خطہ زمین ہے۔ یہاں کی سنگلاخ چٹان، پہاڑ، میدان، صحرا سمندر اور وادیاں معدنیات اور قدیم انسانی تہذیب کا عجیب سنگم اور گہوارہ ہیں۔ جہاں معدنیات کے شعبے میں ایسی کوئی شے نہیں جو قدرت نے اس خطہ ارض کو نہ بخشی ہو کوئی ایسی طبقات الارض نہیں جو اس کے پاس نہ ہو چاہیے موسم ہو یا سنگلاخ چٹان جہاں قدیم دور میں قلات سے لے کر زیارت سے بھی کافی آگے شمال اور شمال مشرق کی جانب وسیع صنوبر کے جنگلات تھے۔ جن

کے باقیات ہربوئی اورزیارت کے موجود جنگلات ہیں۔ان دنوں جنگلوں کے درمیان جو خالی جگہ ہے۔ وہ بھی کم تعداد میں صحیح مگر صنوبر کے درخت کافی تعداد میں اب بھی موجود ہیں۔ جہاں نباتات کے علاوہ جانوروں اور انسانی فاسلز لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔قصہ مختصر بلوچستان کا ہر ذرہ اور پتھر ایک تاریخ کی کھلی کتاب ہے۔بلوچستان کا علاقہ مطالعہ تحقیق اور تلاش کرنے کے میدان ہیں۔ یہ ماہرین، سائنسدان اور دانشوروں کے لئے ایک سائنسی انسٹی ٹیوٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔جو دنیا کے ہر سکالرز کو تحقیق کی دعوت دیتا ہے۔

باب-5

علم آثار قدیمہ میں زمانے کی تقسیم

ماہرین آثار قدیمہ نے جہاں آلات، اوزاروں، ظروف، نسل انسانی اور زبان کی درجہ بندی کی ہے۔ وہاں ماہرین آثار قدیمہ نے زمانے کی تقسیم مختلف نظریات اور طریقوں سے کی ہے۔ ماہرین نے زندگی کا آغاز اس وقت سے تسلیم کیا ہے۔ جب انسان نے اپنی مدد آپ کے تحت اوزار بنانا شروع کئے۔ سب سے پہلے قدیم ابتدائی دور سے اوزار نہیں بنائے ہوں گے۔ بلکہ قدرت کی دستیاب چیزوں کو بطور ہتھیار استعمال کیا ہوگا۔ ان میں سے کئی اوزار انسان کے ارد گرد پائے جانے والی پودوں کی دنیا سے لئے گئے ہونگے۔ بانس سے اس نے اوزار کے دستے چاقو، سوئیاں اور بوتلیں بنائیں۔ درخت کی شاخوں سے اس نے چمٹا، سنی اور زنبور بنائے اس کے علاوہ قدیم انسان نے درخت کی چھال اور ریشے سے رسی اور اپنے لئے لباس تیار کئے اس سے زیادہ اس نے اپنے لئے لاٹھی بنائی۔ ویسے تو لکڑی کی یہ لاٹھی ایک معمولی ایجاد تھی۔ لیکن اس کے استعمالات اتنے مختلف تھے کہ انسان نے اپنی ہمیشہ طاقت اور قوت کی علامتوں میں سے ایک جانا ہے۔

دنیا بھر میں انسانی زندگی کے ارتقاء کی مادی ترقی کے حوالے سے مختلف زمانوں میں تقسیم کیا گیا ہے سب سے پرانے آلات اوزار جو تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ وہ پتھروں کے بنے ہوئے ہیں۔ اور انسانی زندگی کا سب سے پہلا زمانہ پتھر کا زمانہ یا حجری دور کہلاتا ہے اس کے بعد کانسی کا زمانہ اور پھر لوہے کا زمانہ ہے۔ حجری دور سب سے طویل ترین ہے۔ اور یہ لاکھوں سالوں پر پھیلا ہوا ہے۔

انگلینڈ میں 1865ء میں جان لوبوک نے پیلولیتھک اور نیولیتھک یعنی قدیم پتھر کا

زمانہ اور جدید پتھر کا زمانہ میں علم آثار قدیمہ کو تقسیم کیا گیا۔ ڈنمارک میں پانچ ادوار میں اور بعد میں فرانسیسی ماہرین نے بھی زمانہ کی تقسیم ویسے ہی کی۔ ماہرین آثار قدیم نے پتھر یا حجری دور کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا۔

اول۔قدیم حجری دور

دوم۔وسطی حجری دور

سوم۔جدید حجری دور

پھر ماہرین نے حجری دور کے بھی اپنی جگہ دو مرحلے تسلیم کئے ہیں۔ نچلا اور بالائی، نچلا قدیم حجری دور پرانا ہے۔ اور بالائی قدیم حجری دور بعد میں آتا ہے۔ جس کا زمانہ تقریباً چھ لاکھ سال قبل ہے۔

زمانے کی تقسیم کے حوالے سے مزید چند باتوں کو واضح کرتا چلوں جیسے میں نے ابتداء میں کہا تھا کہ ہم اپنے موضوع کو ابتدائی انسان سماج اور باقیات تک محدود کرتے ہیں۔ زمین کے آغاز کے بعد ایک دور وہ آتا ہے جسے ماقبل کمبیرین وقت کہتے ہیں۔ ماقبل کمبیرین زمانہ آج سے 57 کروڑ سال قبل کے طویل دور پر پھیلا ہوا ہے زمین پر زندگی کا آغاز اسی دور میں ہو چکا تھا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ان زمانوں کی تقسیم کا ذکر ملتا ہے۔

نچلا قدیم مجر حیات کا دور ۳۔ بالائی قدیم مجر حیات کا وقت 3 درمیانی مجر حیات کا دور اس کے بعد نئی حیات کا دور جو 6 کروڑ 50 لاکھ سال قبل پر پھیلا ہوا ہے۔ اس عہد کو بین الاقوامی اتفاق رائے سے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1۔تیسرا زمانہ

2۔چوتھا زمانہ

تیسرا زمانہ 6 کروڑ 50 لاکھ سال پہلے کے وقت سے لے کر 25 لاکھ سال قبل تک کے عرصے پر پھیلا ہوا ہے۔ اس زمانے میں زمین پر پہاڑ بنے۔ اسی عہد میں عرب، عراق، ایران اور بلوچستان کا بیشتر حصہ سمندر کے نیچے تھا۔ اس دور کا سب سے اہم واقعہ شہردار جانوروں کا ارتقاء

پذیر ہوتا تھا۔ ماہرین نے تیسرا زمانہ کو مزید پانچ زمانوں میں تقسیم کیا ہے۔
چوتھا زمانے کو ماہرین نے مزید دو حصوں میں تقسیم کیا ہے

1۔ انتہائی نزدیکی زمانہ

2۔ مکمل نزدیکی زمانہ

انتہائی نزدیکی زمانہ 70 لاکھ سال قبل سے شروع ہو کر 10 ہزار سال قبل پر ختم ہوتا ہے اس دور میں زمین پر بار بار موسمی تبدیلیاں ہوئیں۔ ماہرین کی تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ اس زمانے کے دوران برف جمنے اور پگھلنے کے آٹھ بڑے برفانی ادوار کی نشاندہی کی گئی ہے۔ آخری برف 10 ہزار سال قبل پگھل کر ختم ہوئی۔

قدیم حجری دور (پیلولیتھک) تقریباً 25 لاکھ سال قبل سے 20 ہزار سال قبل تک کے زمانے پہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ سارا کا سارا دور ''انتہائی نزدیکی'' (پلیوسین) زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ کے مطابق انسانی ڈھانچوں کی باقیات اور اس کے بنائے ہوئے جو بھی اوزار انتہائی نزدیکی زمانے کے زمین تلے سے ملے ہیں۔ انہیں قدیم حجری دور میں شمار کیا جاتا ہے۔

وسطی حجری دور (میسولیتھک) تقریباً 10 ہزار سے 18 ہزار سال قبل تک کے زمانے پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ زمانہ انسان کی شکاری زندگی کا زمانہ ہے جس میں ان کی گزر بسر بیشتر شکار کھیلنے پر تھی۔ لوگوں کو زندہ رہنے کیلئے سخت جدوجہد کرنا پڑتی تھی۔ اور آپس میں مل جل کر گروہ کی شکل میں رہنا پڑتا تھا۔ وسطی حجری دور کا انسان آگ کا استعمال سیکھ گیا تھا۔ اسی وجہ سے اس دور کا انسان گوشت کو تندور میں بھون کر کھانے والا شکاری انسان بن چکا تھا۔ وسطی حجری دور میں خاندان کا وجود نہ تھا۔ لیکن اس دور کا شکاری انسان گروہوں کی صورت میں مل کر رہتا تھا۔ جن کی بہت سی قدیم غاریں اور بستیاں دریافت ہو چکی ہیں۔

جدید حجری دور (نیولیتھک) تقریباً 7 ہزار سے 9 ہزار سال قبل تک کے زمانے پر پھیلا ہوا ہے۔ نیولیتھک سے عموماً وہ زمانہ مراد لیا جاتا ہے۔ جب پتھر کے انتہائی ترقی یافتہ اوزار بنائے جاتے تھے۔ ان میں رگڑائی کے ذریعے اور متفرق حصوں کو جوڑ کر اوزار بنائے جاتے تھے۔ اس

دور میں پتھر کے اوزار، برتن کے ساتھ ساتھ مٹی کے بنے ہوئے برتن، مجسمے بھی بنائے جاتے تھے۔لیکن ابھی تانبے یا کانسی کے استعمال سے انسان واقف نہ ہوا تھا۔آبادی کا خاصا بڑا حصہ مکمل خانہ بدوش چھوڑ کر نیم آباد ہو چکا تھا۔اس دور کے آخری زمانے میں کانسی بھی دریافت ہوگئی تھی۔ اور انسان نے پتھر کے اوزاروں کے ساتھ ساتھ کانسی کے اوزار بھی استعمال کرنا شروع کر دیئے تھے۔ یوں اس دور کا آغاز اگر وسطی حجری دور کے ساتھ مربوط ہے۔تو اس کا آخری زمانہ حجری کانسی دور میں داخل ہو چکا تھا۔ اس عہد کے آغاز میں مادر سرے سماج کا ظہور ہوا اور اس کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے ماں کی سماجی یا نسلی بالادستی ختم ہو کر باپ کی بالادستی کا ارتقاء شروع ہوگیا۔اس دور کے برتن شروع میں ہاتھ سے بنائے جاتے تھے اور آخری زمانے میں کمہار کے چاک کا رواج ہو گیا تھا۔ اسی دور میں مذہب کا آغاز ہوا۔ ذات پات کا تصور ہیج ہوا اور سماج طبقات میں تقسیم ہوا۔ یہ عصر سماج کی تیز حرکت کا زمانہ تھا۔

ماہرین آثار قدیمہ نے جہاں کہیں بھی کسی بستی کے کھدائی کی ہے۔اس میں رہائش کے اوپر تلے کئی مرحلے ملے ہیں۔ بلوچستان اور سندھ میں اس قسم کی بستیاں سب سے پہلے ان علاقے سے دریافت ہوئیں جو دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع ہیں۔اس تمام علاقے کا قدیم نام گدروشیا تھا۔ یہ نام یونانیوں نے اسے دیا تھا۔اسی بناء پر اس قدیم ثقافت کو گدروشی ثقافت کا نام دیا گیا۔

ابتدائی تاریخ کا زمانہ جس میں انسان نے لکھنا پڑھنا شروع کیا جو تقریباً 5 ہزار قبل مسیح یعنی جدید کہلاتا ہے۔ جدید حجری دور جس کا زمانہ 7 ہزار سے 9 ہزار سال قبل مسیح تک پھیلا ہوا تھا۔ اسی زمانے میں تقریباً 6 ہزار سال ق م میں تانبا کا زمانہ شروع ہوا اور پھر ابتدائی کانسی کا زمانہ ہر دھات کا عہد تقریباً 3500 سے 6000 سو قبل مسیح تک پھیلا ہوا تھا۔ اس عہد میں پکی مٹی کے برتنوں کے ساتھ ساتھ دھات کا استعمال بھی شروع ہو گیا تھا۔ کانسی کا زمانہ 2300 سے 3200 سو ق م پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کے بعد لوہے کا زمانہ آتا ہے۔ جس کا زمانہ تقریباً 1800 سو ق م ہے۔لوہا کی دریافت انسان کی تاریخ میں عظیم کارنامہ تھا۔ جسے اس عہد کے انسان نے ایجاد کیا۔ بعد کے زمانے میں مادی ترقی کی رفتار تیز تر ہوگئی۔

باب-6

علم آثارقدیمہ میں نسل انسانی کی تقسیم

دنیا کے کسی بھی شعبے میں کسی قسم کا مسئلہ ہو یا تحقیق، تلاش، جستجو ومطالعہ کرنا ہو اس کے تمام تر مقاصد انسان کی خاطر اور انسان کے مفادات کیلئے ہوتے ہیں چاہے یہ تحقیق اور مطالعہ کرہ ارض کے کسی بھی حصے یا شعبے یا کسی بھی دور سے کیوں نہ ہو یا یہ کائنات سے متعلق ہو اس کے تمام تر مقاصد نوع انسان کیلئے ہوتے ہیں انہی انسانوں میں سے کچھ لوگ اپنے لئے شعبے منتخب کرتے ہیں انسان جب صحت، تعلیم، خوراک، زراعت، سمندر، پہاڑ، صحرا، خلا، سورج، چاند، ستارے اور کہکشاں کے بارے میں ریسرچ یا مطالعہ کرتا ہے تو اس میں انسان کی اپنی ضروریات کارفرما ہوتی ہیں اور ان شعبوں میں نسل انسانی کی فلاح و بہبود کیلئے راستے تلاش کئے جاتے ہیں انسان کو درپیش مسائل کے حل کیلئے جدوجہد اور تحقیق کرنی پڑتی ہے فی الحال سائنسی تحقیقات سے یہ بات واضح اور ثابت ہوئی ہے کہ انسان کرہ ارض کا اہم واحد اور مرکزی نقطہ ہے انسان کائنات کے تمام وسائل کو اپنی ذات کیلئے استعمال کرنے کا شعور رکھتا ہے کیونکہ کائنات کی باشعور مخلوق انسان ہے اس حوالے سے راقم نے نسل انسانی کے عنوان سے لکھنے کی ضرورت محسوس کی جبکہ اس موضوع پر کئی تحقیقات، نظریات خیالات اور مذہبی تعلیمات اور تصورات بھی موجود ہیں لیکن پھر بھی اس موضوع میں تشنگی ابھی باقی ہے۔

ماہرین آثارقدیمہ اور ماہرین نسلیات نے اس موضوع پر بڑی وسیع وجامع اور سائنسی تحقیقات کی ہیں ان تحقیقات کے نتیجے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قدیم حجری دور کا بالائی دور ہے اس زمانہ میں تقریباً چھ لاکھ سال قبل میں نسل انسانی کی ابتدائی تشکیل شروع ہوئی اس زمانے میں لوگوں نے مستقل گروہوں کی شکل میں رہنا شروع کیا کرہ ارض کے مختلف جغرافیائی ماحول اور حالات میں زندگی گزارنے کی عادات اپنائیں اس طرح انسان کے آزادانہ ارتقائی عمل کی منتقلی کا سلسلہ قدرے محدود ہوا اس سے انسانی نسلوں کی تشکیل شروع ہوئی۔

ماہرین نے نسل انسانی کو مختلف نظریات اور فارمولوں کے تحت تقسیم کیا ہے ماہرین کے ایک گروہ نے انسانی نسل کو پانچ بنیادی نسلوں میں یوں تقسیم کیا ہے:

(1) منگول (2) کا کیشیائی (3) ہنگرو (4) آسٹریلوی (5) کاپ

اسی طرح اکثریتی ماہرین کا خیال ہے کہ دنیا کی بنیادی نسلیں پانچ نہیں بلکہ صرف تین ہیں:

(1) منگولی یا زرد فام

(2) کا کیشی یا سفید فام

(3) افریقی یا سیاہ فام

اگر ہم ان ماہرین کے بقول جو کہتے ہیں کہ نسل انسانی پانچ نہیں بلکہ تین ہیں گو انسانوں کی اکثریت کو ان قسموں میں رکھا جا سکتا ہے لیکن متعدد افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی ایک زمرے کی بجائے مشکوک قدیم اور مخلوط نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں انسانی نسل کی تقسیم کا ایک سبب کرہ ارض کی براعظمی تقسیم سے منسلک ہے۔

مذہبی عقیدے سے نسل انسانی کے بارے میں مختلف تصورات اور دیومالائی قصے پیش کئے جاتے ہیں اور ان مذہبی تصورات کی بنیاد الہامی ہے پرانا عہد نامہ کی کتاب (پیدائش) کے باب 9 میں لکھا ہے نوح کے بیٹے جو کشتی سے نکلے سام حام اور یافت تھے اور حام کنعان کا باپ تھا یہی تینوں نوح کے بیٹے تھے اور انہی کی نسل ساری زمین پر پھیلی اس طرح باب 5 میں لکھا ہے کہ نوح 5 سو برس کا تھا کہ اس کے ہاں سام، حام اور یافت پیدا ہوئے اس کے علاوہ پرانا عہد نامہ کی کتاب (پیدائش) باب 9 میں لکھا ہے کہ نوح کے تینوں بیٹوں کے خاندان ان کی گروہوں اور نسلوں کے اعتبار سے ہی ہیں اور طوفان کے بعد جو قومیں زمین پر جا بجا منقسم ہوئیں وہ انہی میں سے تھیں "عیسائی میتھولوجی" بھی انسانوں کی نسل کی 3 بنیادی نسلوں میں تقسیم کی قائل ہے۔

اسلامی عقیدے کے مطابق نسل انسان کو تین بنیادی نسلوں میں تقسیم کیا گیا ہے یہاں ہم قرآن مجید کی تین آیات کریمہ کا ذکر کریں گے جن میں اسلامی تصور تخلیق آدم ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو انفرادی طور پر مٹی سے پیدا کیا۔

(1) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑ بنایا اور دونوں سے مرد اور عورتیں پھیلائیں (نساء۔1)

(2) اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں بسے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں (فجر۔23)

(3) اور یقیناً ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا اور اس سے پہلے ہم نے جنوں کو گرم ہوا کی آگ سے پیدا کیا تھا (فجر۔27-26)

مغربی و مشرقی مفکرین نے قرآن مجید، حدیث نبوی، انجیل مقدس کے علاوہ اور بہت سے دوسرے مفکرین نے نظریہ ارتقاء اور تخلیق آدم پر اپنے اپنے نظریات پیش کئے ہیں انہی میں سے ایک ڈاکٹر سینٹ اکسٹن نے یہ تسلیم کیا ہے کہ شروع شروع میں آدم تخلیق کیا گیا ہوگا اور وہ بعد میں ارتقاء پذیر ہوئے ہوں گے اسی طرح مسلم مفکرین میں علمائے دین میں سے مولانا جلال الدین رومی نے نظریہ ارتقاء کو بڑے زور وشور سے پیش کیا تھا اسی طرح شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنے خطبات میں رومی کے اس تصور کو دہرایا اور اس سے اسلامی دنیا میں نظریہ ارتقاء کی تشکیل کی اسے ایک عمدہ شکل قرار دیا ہے اسی طرح تاریخ فرشتہ کا مصنف محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت علیؓ سے ایک سوال دریافت کیا کہ اے امیر المومنین! حضرت آدمؑ سے تین ہزار سال قبل دنیا میں کون تھا؟ تو حضرت علیؓ نے اس شخص کو جواب میں فرمایا آدم۔ پھر اس شخص نے تین بار اپنے سوال کو دہرایا اور حضرت علیؓ نے تینوں بار ایک ہی جواب دیا پھر وہ شخص متعجب ہو کر خاموش ہو گیا حضرت علیؓ نے جب اس سائل کو متعجب اور خاموش دیکھا تو فرمایا اگر تو 30 ہزار مرتبہ بھی مجھ سے یہ سوال کرتا تو میں ہر بار یہی جواب دیتا۔

حقیقی طور پر سائنس اور باقاعدہ حیاتیاتی درجہ بندی تقریباً 2 سو سال پہلے کیرولیس ون لینائس (CAROLUS VONLINAELIS) نے پیش کی لینائس کی درجہ بندی اس وجہ سے مستند مانی جاتی ہے کہ اس نے زندہ عفویات کی باقاعدہ گروہ بندی کیلئے ایسے قوانین اور اصول وضع کئے جو مختلف عفویات اور اصولیت کے علاوہ لینائس کی جماعت بندی کی ایک یہ بھی خصوصیت

گاؤں کے بلوچ بچے

ہے کہ اس کے زیادہ تر درجات اور اقسام میں ویسے ہی ارتقائی تعلقات ظاہر ہوتے ہیں جیسے ڈارون کے ارتقائی عمل میں انہی دوخوبیوں کی وجہ سے تمام حیاتیاتی گروہ بندی لینائس نظام پر ہی کی جارہی ہے جس کے تعدد وظائف میں سے ایک وظیفہ ارتقائی منازل کے تعلقات کی وضاحت کرتا ہے انسانی اوصاف اور خصوصیات کے مشاہدات کو بخوبی پرکھ کر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ تمام انسان ایک ہی صنف سے تعلق رکھتے ہیں اور اس صنف کو نام ہوموسیپنز (HOMO SAPIENS) دیا گیا انسان کے متعلق لینائس کے اس فیصلے کو آج تک کوئی چیلنج نہیں کر سکا۔

ماہرین کی اکثریت نے انسان کی گروہ بندی دولہ عفویات کے مقابلہ میں کچھ مختلف طریقوں سے کرنی چاہی ماہرین نے انسانوں کی گروہ بندی کے حوالے سے یہ تصور پیش کیا کہ معیارات عام طور پر غیر حیاتیاتی رہے ہیں اور جن کی افادیت غیر حیاتیاتی مقاصد کیلئے ہوتی ہے گروہ بندی اور حیاتیاتی ارتقاء بغیر حیاتیاتی بنیادوں کے دوسرے کسی معیار پر واقع نہیں ہوسکتا ہے تقریباً سوسال پہلے سائنسدان یہ سمجھتے تھے کہ انسانی گروہ چند اصل نسلوں کے غلط ملط ہونے کا نتیجہ ہے ہر زمانے میں کچھ افراد تو خاص اصلی نسل کے ہوتے ہیں لیکن بہت سے گروہ ان اصلی نسلوں کے ملنے سے پیدا ہو جاتے ہیں یہ خیال یورپ میں بہت مقبول ہوا اور اسی کے تحت یہ سمجھا جانے لگا کہ یورپ میں تین اعلیٰ اصلی نسلیں نارڈی، آلپی اور روی تھیں جنُ کے افراد جسم کی چند ظاہری خصوصیات میں مشابہت رکھتے تھے مثلاً نارڈی نسل کے لوگ گورے اور لمبے ہوتے تھے متعدد گروہ ان خالص نسلوں کے ربط ضبط اور خلط ملط ہونے سے وجود میں آئے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ سائنسدانوں نے ثابت کیا کہ اس قسم کی اصلی نسلوں کی تولیدی شہادتیں نہیں ملتیں اور افراد میں عام خصوصیات اتفاقیہ طور پر مختلف وارثتی اوصاف کے واقع ہو جانے سے نظر آنے لگتی ہیں اسی طرح اضافی نسلوں کا نظریہ مسترد کر دیا گیا اضافہ نظریہ کے مسترد ہو جانے کے باوجود اس کو فقط نسل انسانی جماعت بندی کیلئے استعمال کیا جارہا ہے۔

فطری آبادیوں کے مطالعے میں کسی خاص علاقے کی کل آبادی میں خصوصی اوصاف کا مطالعہ شامل ہے ایسے مطالعے کیلئے زیر مطالعہ موضوعات ہیں جنسی بہاؤ، جنسی تعداد، جنسی علیحدگی

اور تولیدی عادات کا مطالعہ کیا جانا ضروری ہے اس کے علاوہ ایسی نسلوں کے مختلف درجات اور منازل کو بھی زیرِغور لانا چاہئے اس طرز مطالعہ کے نتیجے میں ہم گارن کی پیروی کرتے ہوئے تین قسم کی نسلوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں جغرافیائی نسلیں، مقامی نسلین اور خرد نسلیں۔

مسز مجیدہ صابر اپنی کتاب ''علم انسانیات'' کے صفحہ نمبر 35 تا 37 پر لکھتی ہیں کہ جغرافیائی نسلیں کسی قوم کی مماثل مقامی نسلوں کا مجموعہ ہوتی ہیں یہ نسلیں جغرافیائی رکاوٹوں مثلاً سمندر، پہاڑ اور صحراؤں کی وجہ سے اپنے علاقے ہی میں محصور رہتی ہیں اس لئے ان میں انسانی ہجرت کے ساتھ جنسی بہاؤ بھی بہت کم پایا جاتا ہے لہٰذا یہ نسلیں کافی حد تک متعدد امتیازی خصوصیات اور جنسی تعداد کی تفریق کی حامل ہو جاتی ہیں جغرافیائی نسلوں کی تعداد کم ہوتی ہے اور مقامی افراد جسمانی خصوصیات میں ایک دوسرے سے کافی مشابہہ ہوتے ہیں لیکن انفرادی اوصاف کی تعداد اور انتشار میں زیادہ تنوع پایا جاتا ہے۔

مقامی نسلیں وہ ہیں جن کے ممبران زیادہ تر اپنے گروہ میں ہی شادی کرتے ہیں کیونکہ جغرافیائی رکاوٹوں کی وجہ سے وہ اپنی حدود سے آگے نہیں جا سکتے اسی لئے عموماً یہ نسلیں بہت ہی واضح ہوتی ہیں کیونکہ ان کا جنسی بہاؤ بھی بہت کم ہوتا ہے ارتقائی مطالعہ کیلئے ایسے محدود نسلیاتی باڑھ کے گروہ کافی اہمیت رکھتے ہیں مقامی نسلیں کسی حد تک علیحدگی میں ہونے کے باوجود تین اعمال سے گزر کر ارتقائی منازل کی صورت میں ابھرتی ہیں یہ تین اعمال تقلب نوع جنسی نقل و حرکت اور خارجی ماحول منتخب دابوں سے مطابقت رکھتی ہیں ان میں اعمال کے ذریعے جغرافیائی نسلیں اپنے آپ کو اپنی جغرافیائی یا معاشرتی حدود کے اندر قائم رکھتی ہیں خرد نسلیں مقامی نسلوں کے چھوٹے چھوٹے حصہ ہوتی ہیں جو ایک دوسرے سے بہت ہی لطیف و نازک اور غیر واضح تفریقات رکھتی ہیں یہ نسلیں کسی قسم کی رکاوٹوں کی وجہ سے قائم نہیں رہتیں بلکہ اس لئے قائم رہتی ہیں کہ قریب قریب کے افراد ایک دوسرے سے ہم محبت ہوتے ہیں خرد نسلوں میں گروہوں خصوصیات مثلاً خون کا گروپ کافی حد تک قائم رہتا ہے پھر بھی علیحدگی کے درجے کے تبدیلی اور

جنسی بہاؤ کی رفتار میں تبدیلی ان میں تھوڑی بہت تبدیلی کا سبب بن جاتی ہے جو بالآخر دمقامی نسلوں کی تبدیلی ثابت ہوتی ہے۔

مختلف ماہرین نے اس بارے میں مختلف نظریات پیش کئے کہ آیا کھڑے آدمی کی نسل سے ہی براہ راست باشعور آدمی نے جنم لیا ہے یا درمیان میں کوئی کڑیاں ہیں اور جو بھی کچھ صورت اس ارتقاء کی ہو رہی ہے اس کی عملی تفصیل کیا ہے ایک نظریہ تو یہ کہتا ہے کہ کھڑے آدمی ہی سے باشعور آدمی نے براہ راست جنم لیا ہے زیادہ تر تسلیم شدہ نظریہ بھی یہی ہے گو کہ باشعور آدمی کا ظہور تقریباً (15 لاکھ سال) کے بعد آنے والی تمام نسلیں باشعور آدمی کی تعریف میں آتی ہیں یحییٰ امجد اپنی کتاب ''تاریخ پاکستان قدیم دور'' میں لکھتے ہیں کہ اس میں اولین باشعور اقسام سے لے کر زیادہ ترقی یافتہ اقسام یعنی ''نی اینڈرتھال آدمی'' اور ''کرومیگنان آدمی'' تک بھی شامل ہیں۔

باب-7

تاریخ عالم میں زبان اور تحریر کی ابتداء

زبان ہماری روز مرہ زندگی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔اس کے ذریعے ہم ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کرتے ہیں اور ہم اپنے احساسات ،خیالات ،جذبات اور خواہشات کا اظہار بھی اسی زبان کے ذریعے ہی کرتے ہیں ۔زبان بنی نوع انسان کی سب سے زیادہ قیمتی تہذیبی میراث ہے ۔زبان کسی کیا نفرادی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک تہذیبی ورثہ ہے کسی بھی زبان کا کوئی عنصر کسی فرد کا کارنامہ نہیں ۔کیونکہ کوئی بھی اکیلا آدمی کسی دوسرے آدمی کے بغیر رہ کر زبان تخلیق نہیں کرسکتا اس لئے زبان پورے معاشرے کی میراث ہوتی ہے ۔کیونکہ انسان نے زبان کو شعوری طور پر تخلیق نہیں کیا اور نہ ہی ذہنی کارکردگی میں اضافہ کرنے کے لئے ارادی طور پر زبان کو تخلیق کیا ہے زبان کی تشکیل شعوری طور پر زبان کی تخلیق کی نیت سے نہیں کی اصل میں ابتدائی طور پر انفرادی اور سماجی تقاضے بہت سے صوفیانہ اشاروں کی تخلیق سے معرض وجود آئے ابلاغ کا مقصد پورا کرنے کے لئے صورتی اشارے منطقی روایت بن کر تہذیبی روایت بنتے گئے ۔

زبان کی ابتدائی تاریخ کے متعلق یہ فیصلہ ابھی تک نہیں ہو پایا کہ زبان کی ابتداء کب اور کہاں ہوئی زبان کے تصور کے ساتھ ساتھ اس کی تاریخی خصوصیت کا یہ تصور بھی ابھرتا ہے کہ زبان کوئی بنی بنائی چیز نہیں اس کا ایک ایک نقطہ،لفظوں کی ترتیب اوران سب کی موجودہ حیثیت کا نتیجہ گونا گوں تبدیلیوں ہیں ۔زبان کی ابتدائی تاریخ کے حوالے سے مختلف مذہبی عقیدے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عبرانی زبان کو قدیم ترین اور انسان کی اولین زبان قرار دیا گیا ہے قدیم عہد نامہ کی پیدائش کے باب 11 میں لکھا ہے ''اور تمام زمین پر ایک زبان اور ایک ہی بولی تھی اور ایسا ہوا کہ مشرق کی طرف سفر کرتے کرتے ان کو ملک سیغار میں ایک میدان ملا اور وہ وہاں بس گئے اور انہوں نے آپس میں کہا آؤ ہم اینٹیں بنائیں اور ان کو آگ میں خوب پکائیں سو انہوں نے پتھر کی جگہ اینٹ سے اور چونے کی جگہ گارے سے کام لیا پھر وہ کہنے لگے کہ آؤ ہم اپنے واسطے ایک
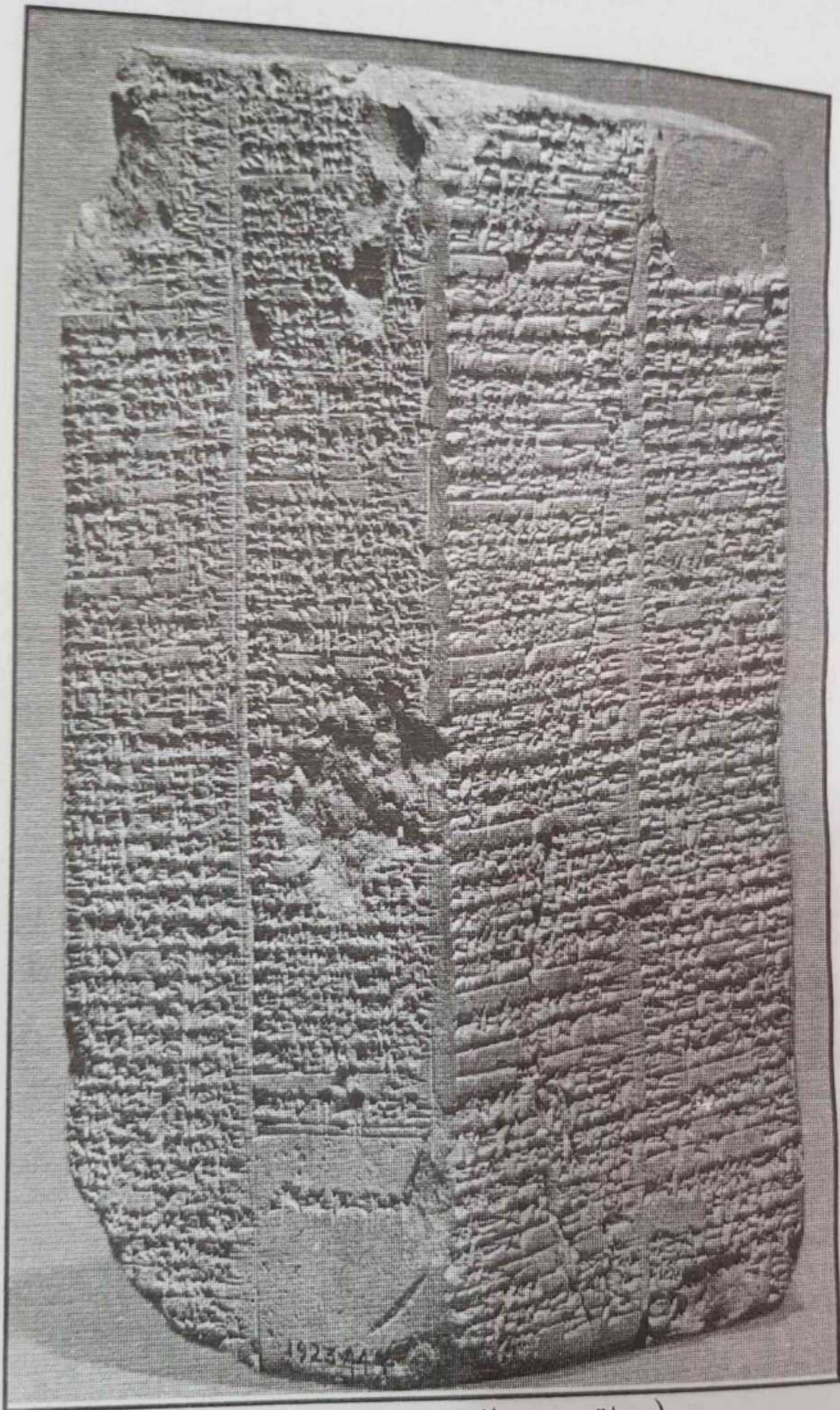
(عراق سے دریافت شدہ تحریری تختی)

شہر اور ایک برج کی چوٹی (بلندی) آسمان تک اونچی بنائیں اور یہاں اپنا نام پیدا کریں ایسا نہ ہو کہ تمام روئے زمین پر پراگندہ ہو جائیں اور خداوند اس شہر اور برج کو جسے نبی آدم بنانے لگے دیکھنے کو۔ اور خداوند نے کہا دیکھو یہ لوگ سب ایک ہیں اور سب کی ایک ہی زبان ہے۔ وہ جو یہ کرنے لگے ہیں تو آپ کچھ بھی جس کا وہ ارادہ کریں ان سے باقی نہ چھوٹے گا۔ سو آؤ ہم وہاں جا کر ان کی زبان میں اختلاف ڈالیں تا کہ وہ ایک دوسرے کی بات سمجھ نہ سکیں، پس خداوند نے ان کو وہاں ساری زمین کی زبان میں اختلاف ڈالا اور وہاں سے خداوند نے ان کو تمام روئے زمین پر پراگندہ کیا

مذہبی عقیدے سے آغاز زبان وتحریر کے بارے میں دنیا کے تمام مذاہب میں مختلف تصور نظر آئے گا جو اپنے اپنے عقیدے کے مطابق پیش کئے جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں زبان کے حوالے سے بہت سی آیات مبارکہ ہیں اور اس کے بارے میں حدیث نبوی ﷺ بھی ہے یہاں ہم قرآن مجید کی دو آیات کریمہ کا ذکر کریں گے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مالک کائنات نے حضرت آدم علیہ اسلام کو پیدا کیا تو ساتھ ہی زبان بھی عطا کی

1 اللہ نے انسان کو پیدا کر کے اس کو بولنا سکھایا (رحمان 4-3)

2 اور اللہ نے آدم کو سارے نام بتا دیئے (بقرہ 31)

زبان کی ابتدائی تاریخ کے حوالے سے دنیا بھر کے ماہرین لسانیات نے اپنی تحقیق ونظریات پیش کئے ہیں۔ لسانیات ان زبانوں اور بولیوں کی تحقیقات کا علم ہے۔ جو دنیا میں کہیں نہ کہیں استعمال یا کبھی رہ چکا ہو۔ جرمنی موزخ کے ماہر لسانیات ''کارل ووسلر'' نے یہ خیال ظاہر کیا کہ لسانیات ''حقیقتاً'' جمالیات ہے اطالوی دانشور ''جی وکو'' نے 1725ء میں تاریخ انسانی کے تین مراحل دیوتائی سورمائی اور عوامی کی نشان دہی کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ پہلے مرحلے میں زبان آوازوں کی مرہون منت نہ تھی۔ اشاروں کی زبان سے کام لیا جاتا تھا دوسرے مرحلے میں آوازوں کو وسیلہ بنایا جاتا تھا۔ 18ویں صدی عیسوی کے جن مفکرین نے انسانی زبان کے آغاز سے متعلق غور وخوض کیا ان میں روسو سر فہرست نظر آتا ہے اس کے نظریہ کے مطابق ابتدائی انسانوں

نے زبان تشکیل کرنے کے لئے (معاہدہ عمرانی) کی طرح ارادی سمجھوتہ کیا ہوگا مفاہمت کا یہ نظریہ
دقیع اور معتبر نہیں سمجھا گیا برلن اکیڈمی نے 18 ویں صدی عیسوی کی ساتویں دہائی میں زبان سے
متعلق مختلف موضوعات پر انعامی مقابلے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس کے نتیجے میں لسانیات عامہ
کے میدان میں خاصی پیش رفت ہوئی اس سلسلے کے 2 انعام یافتہ مضامین قابل ذکر ہیں ایک
مضمون ''ہردر'' کا ہے جو 1773ء میں لکھا گیا جس کا عنوان تھا ''زبان کس طرح ایجاد ہوئی''
دوسرا مضمون ''باوردی جنبش'' نے 1794ء میں ''مکمل زبان کے مثالی معیار'' کے عنوان سے لکھا
تھا ہردر نے زبان کے انسانی تصور پر تنقید کرتے ہوئے یہ رائے دی کہ اگر زبان کے انسانی تصور پر
تنقید کرتے ہوئے یہ کہا کہ اگر زبان خدا کی تخلیق کی ہوئی ہوتی تو مدلل اور ہر لحاظ سے کامل ہوتی اور
اس میں وہ خامیاں نہ ہوتیں جو منطقی اعتبار سے نظر آتی ہیں۔اس کے خیال میں زبان ارادی اور
شعوری تشکیل کا نتیجہ بھی نہیں کہ ہر قوم اپنی زبان کے ایک ایک کلمے کے ذریعے اپنے مزاج کا
اظہار کرتی ہے۔

زبان پر ماہرین نے منظم ادارے قائم کئے تا کہ زبان کی ابتدائی تاریخ قدیم زبانوں
اور جدید زبانوں پر جدید سائنسی تحقیق کر سکیں آج دنیا کی تقریباً تمام یونیورسٹیوں میں لسانیات کے
شعبے کام کر رہے ہیں اسی طرح بہت سے ممالک میں ٹیچرز ٹریننگ سینٹر، اسکولوں، کالجوں میں
لسانیات کے کچھ نصاب کی تدریس ہوتی ہے جنوری 1784ء میں ایشیا سوسائٹی آف بنگال قائم
ہوئی اس ادارے کے ارکان یورپین تھے ان کی منصوبہ بندی کے تحت آثار قدیمہ کی تلاش چھان
بین تحقیق تدفین کے نتائج برآمد ہوئے تھے ان کی ترتیب و تدوین کی طرف توجہ دی جاتی تھی اس
طرح ماڈرن لینگویج ایسوسی ایشن نے واشنگٹن میں لسانیات کا مرکز قائم کیا امریکہ میں نیشنل ڈیفنس
ایکٹ 1958ء نے الحاق لسانیات کو بالواسطہ بہت فروغ دیا ان کو سیاسی استعمال میں لایا گیا
جنگ میں زبان کو بھی بالواسطہ حربے کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا۔پاکستان میں لسانیات کی
صورت حال حوصلہ افزا نہیں رہی ہے لسانیات کے فروغ کے لئے اجتماعی یا سرکاری کسی بھی سطح پر
اقدامات نہیں کئے گئے 1962ء کے آخر میں لینگویسٹ ریسرچ گروپ آف پاکستان ضرور قائم کیا

گیا تھا مگر انہوں نے کوئی خاص مثبت روایت قائم نہیں کی۔سوویت یونین کی اس سلسلے میں بے بہا خدمات ہیں روس کا'' کازان دبستان لسانیات'' جس کا صدر پس کورتنے تھا جدید لسانیات کا مرکز تھا۔کورتنے ہی نے''فونیم'' کی اصطلاح اوراس کا نظریہ پہلی بار پیش کیا تھا۔سوویت یونین کے اسٹالن نے بھی لسانی ارتقاء کے اصولوں اور لسانی رشتوں کی اہمیت پر زور دے کر علماء لسانیات کو جتایا کہ زبان مجموعی طور پر انسانی اعمال سے وابستہ رہتی ہے اور کسی نہ کسی معاشرے کے اندر ہی ارتقائی منزلیں طے کرتی ہے سوویت یونین اکیڈمی آف سائنسز کے انسٹی ٹیوٹ آف نیشنل اسٹیڈیز نے ایشیاء اورافریقہ کی بہت سی زبانوں پر قابل قدر کتابیں شائع کرائی ہیں۔

کچھ ماہرین نے آب وہوایا جغرافیائی کوائف کولسانی تبدیلیوں کا عام سبب اور صورتی تبدیلیوں کی خصوصی وجہ بتائی ہے۔ان کی رائے ہے کہ جغرافیائی سختیوں کو برداشت کرنے والی قوموں کی آوازوں اورلب ولہجہ پر ماحول کا بالواسطہ اثر پڑتا ہے ہرانسانی معاشرے کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے جومعاشرے کی دوسری زبانوں سے مختلف ہوتی ہے قدیم اور جدید معاشروں کی لسانی نشونما کے مطالعے سے دوحقائق سامنے آتے ہیں۔اول یہ کہ ہرزبان خواہ وہ قدیم ہویا جدید ابتدائی اورسادہ معاشرہ کی ہویا پیچیدہ اورترقی یافتہ معاشرے کی ساخت کے اعتبار سے مکمل ہوتی ہے اوراپنے معاشرے کی حقیقتوں کی کھل کر ترجمانی کرتی ہے دوئم یہ کہ ہرمعاشرے کی زبان ہر دوسرے معاشرے کی زبان سے مختلف ہوتی ہے اس طرح جدید زمانے تک پہنچتے پہنچتے زبانوں کی حیرت انگیز گونا گویت سامنے آتی ہے ان ہی دوحقائق کی بنیاد پرزبان کی ابتداء کے متعلق اکثر سمجھ جانے لگا کہ زبان انسانی معاشرے میں ابتدا سے ہی پائی جاتی ہے آثارقدیمہ کی دریافتیں اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ انسانی معاشرے میں زبان اس وقت تک استعمال نہیں کی گئی۔جب تک انسانی دماغ موجودہ معاشرہ سائنسز کے حاصل نہیں ہوئے۔لیکن اس انکشاف کے باوجود زبان کی تاریخ کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ زبان کی ابتداء انسانی تاریخ کے اوائل یعنی وسطی قدیم حجری عہد میں ہوگئی تھی۔

تحریر کی ابتداء کے بارے میں ماہرین کا خیال ہے کہ تحریر کی ابتداء تصویری جیومیٹری

اور نقشہ کشی سے ہوئی جسے یوں کیا جاسکتا ہے کہ حروف تہجی نے ریاضی سے جنم لیا جس کے آثار قدیمہ انسانوں کی رہائشی غاروں اور قدیم مدفن بستیوں کی کھدائی سے برآمد شدہ اشیاء پر تصویری تحریروں سے ملتے ہیں چند لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تحریر ایک خاص قسم کی بولی ہوئی زبان ہے اور وہ ویسے ہی تحریر اور گفتار وتقریری زبانوں کا متبادل بھی کہا جاتا ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ تقریر کی نسبت تحریر زیادہ صحیح واضح اور صاف ہوتی ہے اور اس کے علاوہ یہ خیال بھی کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ جو تحریر نہیں جانتے ان میں لسانی کمی ہوتی ہے اور ان کو دشواری محسوس ہوتی ہے ایک دوسرے کے ساتھ ترسیل اور رابطہ قائم کرنے میں۔ انسانی تاریخ میں تحریر کم از کم دہ مرتبہ ایجاد کی گئی سب سے اولین ایجاد مشرق قریب میں مصریوں کے کانسی کے عہد میں واقع ہوئی پھر یہی تحریر ایجاد تفرقعات کے ساتھ ساتھ یورپ اور ایشیا کے ممالک میں پھیلتی چلی گئیں دوسری ایجاد جو مشرق قریب کی ایجاد سے قطعی غیر متعلق اور جداگانہ تھی امریکی انڈینز کی ایک تہذیب یافتہ قوم ''مایا'' نے کی مصر کا ابتدائی تحریری نظام طرز تحریر کا مخلوط نظام تھا کیونکہ اس تصویری ترمیم اور الفاظ کے ارکان تہجی کا تحریری نظام تینوں طریقے شامل تھے۔ بعد میں اسی طریقے کی آوازیں معیاری ہوکر چوبیس رسم الخط میں مجتمع اور متشکل ہوگئیں۔ اس کے بعد مصریوں نے اپنے تحریری نظام کو ابجدی بنا کر بہتر بنالیا اور ہر آواز کے لئے ایک خاص اشارہ مقرر ہوا۔ ان میں سے ہر رسم الخط میں ایک صوتی اور ایک علت آواز ملی ہوئی تھی بعد میں مصریوں کا یہ تحریری نظام بحیرہ روم کے آس پاس کے علاقوں میں پھیل گیا۔ فونیشیٹوں یا سامی نے خاص طور پر اس تحریری نظام کو اپنا لیا جن کی جنم بھومی بائیلوس (لبنان) ہے جہاں چار ہزار سال پہلے یہ زیر استعمال تھا۔ فونیشیٹوں کے ساتھ گہرے تجارتی تعلقات تھے فونیشیٹوں کے ابجدی تحریری نظام کو اپنی ضرورت کے لحاظ سے تبدیل کرکے اپنالیا رفتہ رفتہ صورت اور علت کا یہ اشارتی نظام روم، جرمنی اور دیگر ممالک میں پھیلتا گیا۔ مصر کی ملکہ ''قلوپطرہ'' کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر کا یہ آخری نمونہ جو جدید دنیا کے پاس ہے ایک اتفاق کے نتیجے میں بیلجیئم کے ایک محقق نے مصر سے دریافت کیا ماہرین کا کہنا ہے کہ غالباً یہ ملکہ کی دستی تحریر کا آخری اور واحد تحریری نمونہ ہے مصری میوزیم کے ذرائع کا کہنا ہے کہ بیلجیئم کے محقق ''جین بنگن'' کو میوزیم کے لئے ان کی گراں

قدر خدمات کے اعتراف میں چھال کا ایک قدیم ٹکڑا بطور تحفہ ارسال کیا گیا تھا ''جین ہنکن'' نے اس چھال کے ٹکڑے کا مشاہدہ کیا تو ان پر یہ انکشاف ہوا کہ اس ٹکڑے کے نیچے کے حصے میں قلو پطرہ کے دستخط اور ہاتھ سے لکھے گئے باقی کے چند الفاظ موجود ہیں تصدیق کرنے پر آئر لینڈ کے ماہر ''پیٹر وین من'' نے اس بات کو تسلیم کیا کہ یہ قلو پطرہ ہی کی تحریر ہے ماہرین کا کہنا ہے کہ اس تحریر کا تعلق 41 قبل مسیح کے زمانے سے ہے اور یہ ٹکڑا 100 برس سے زائد مدت سے مذکورہ میوزیم کی تحویل میں رہا تھا۔

گورڈن چائلڈ اپنی کتاب ''تاریخ میں کیا ہوا'' میں لکھتے ہیں 2000 قبل مسیح کے لگ بھگ مصر میں وہ تہذیب بھی خواندہ تہذیبوں کے دائرے میں نمودار ہوگئی تھی جس کو ''مینوآئی تہذیب'' کہا جاتا ہے تیسرے عہد ہزار میں ہی زراعت جزیرے کے وسائل مثلاً لکڑی سے استفادے اور تجارتی سفر نے ان طبقات کو بھی کفالت فراہم کردی تھی جن کی کفالت پتھر کے جدید دور کی معیشت کرسکتی تھی اس طرح جمع ہونے والی دولت جزوی طور پر ان تاجر شہزادوں کی مٹھی میں تھی جو پردیسی بادشاہ بھی تھے۔اس دولت میں حصہ حاصل کرنے کے لئے ان محلوں کے گرد اختصاصی کاریگروں کے جھرمٹ چکر کاٹتے رہتے تھے ان میں ایشیاء کے پہیہ استعمال کرنے والے کوزہ گر، شیشہ ساز اور دیواروں یا چھتوں پر تصویر کشی کرنے والے شامل تھے نظم ونسق چلانے کے لئے مینوآنوں نے ایک تصویری رسم الخط کو ایجاد کر کے اسے سادہ اور سہل بنالیا تھا سمیرا کی قدیم ترین دستاویزات کی مانند مینوآئی تحریر کے تقریباً تمام موجود نمونے کھاتوں پر موجود ہیں اور چکنی مٹی پر کندہ ہیں بد قسمتی سے ہر رسم الخط ابھی تک سمجھا نہیں جاسکا ہے۔انسانی تاریخ کا ابتدائی منظم شہر مہر گڑھ جو آج سے تقریباً 9000 سال قبل مسیح دریائے بولان کے قرب و جوار میں واقع تھا بلوچستان کے باشندے اس زمانے میں وسیع پیمانے پر جو، چاول کپاس، گنا اور گندم کاشت کیا کرتے تھے تقریباً 5000 سال قبل مسیح کے بعد مہر گڑھ کے ظروف سازوں نے ہندسی اشکال سے سجے ہوئے نہایت عمدہ ترین برتن تیار کئے مگر فی الحال موجودہ تحقیق سے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ان کی زبان کیا تھی بلوچستان کی عظیم تہذیب مہر گڑھ کے بطن سے وادی سندھ کی تہذیب نے جنم لیا وادی

سندھ کی تہذیب ہڑپہ بلوچستان کی تہذیب کے زیر اثر وجود میں آئی تھی جہاں تک ہڑپہ تہذیب کی قدیم تحریروں کا مسئلہ ہے پچیس سو قبل مسیح میں یہاں ایک تہذیب نے جنم لیا وہ لوگ بہت ترقی یافتہ تھے۔ان کا اپنا الگ تحریری رسم الخط تھا جس کو اب تک پڑھا نہیں جا سکا ہڑپہ اور جزیرہ آیسٹر دو انتہائی ممکنہ فاصلے پر واقع ہیں ان دونوں تہذیبوں کے ہاں ایک ہی رسم الخط بلا مبالغہ 20-19 کے فرق سے رائج تھا اس کے بارے میں ماہرین تک خاموش ہیں کہ کیا یہ محض اتفاق تھا؟

حروف تہجی اور تحریر کے بارے میں یہ کہنا دشوار ہوگا کہ حقیقی معنوں میں تحریر کب ایجاد ہوئی لیکن تحریر۔سے متعلق یہ ایک معمہ نہیں ہے قدیم تحریروں کا پڑھنا اور سمجھنا ایک الگ مسئلہ ہے دنیا بھر کے کونے کونے سے قدیم حروف تہجی ،ہندسی تحریر اور علامتیں دریافت ہوئی ہیں بے شمار انواع دنیا کے بڑے بڑے میوزیموں کی زینت بنے ہوئے ہیں مگر اب تک ان تمام حروف تہجی اور تحریروں کا ترجمہ نہیں ہوسکا ماہرین آثار قدیمہ کی مدد سے آج دنیا کے دیگر علاقوں سے قدیم انسانی باقیات کے ساتھ ایک عظیم انسانی ماہر و تخلیق تحریروں کے بے شمار نمونے بھی دریافت ہوئے ہیں مگر ان پتھروں پر لکھی گئی نامعلوم تحریریں جو مختلف مقامات سے دریافت ہوئی ہیں ان کے بارے میں اب تک یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کس نے تحریر کیں اور کیا تحریر کیا تھا؟

باب-8

بلوچستان کے قدیم مذاہب

علم آثار قدیمہ اور اس کے دوسرے علوم اور معاون شعبوں کی تحقیق اور مطالعہ سے یہ بات واضع ہوئی ہے کہ انسان کرہ ارض پر کروڑوں سال سے آباد ہے۔ جس کے آثار و باقیات مختلف علاقوں سے ماہرین نے دریافت کی ہیں۔ جس پہ ہم نے اس کتاب کے مختلف ابواب میں تفصیل سے لکھا اور ان پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس باب میں قدیم انسان میں مذہبی رجحان اور مذہب کی جانب سفر سے متعلق مختصر مگر جامع طور پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا کہ تخلیق آدم سے انسانی سماج میں دوسرے ثقافتی رجحانات کیساتھ ساتھ مذہبی رجحان کیسے کب اور کیونکر پیدا ہوا، کیا انسان پیدائشی مذہبی واقع ہوا ہے۔ میں یہاں دوسرے علوم کی بہ نسبت علم آثار قدیمہ کی تحقیق اور دریافت کی روشنی پر زیادہ انحصار کروں گا۔ ایسے ماہرین بھی ہیں جو اس بات کے دعویدار ہیں کہ ابتداء ہی سے انسان ہستی اعلیٰ کے تصور سے آشنا ہے۔

علم آثار قدیمہ اور علم انسانیات کی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ باشعور انسان کی ابتداء ایک لاکھ دس ہزار سال سے 38 ہزار سال قبل مسیح کی ہے۔ اس باشعور انسان کے بارے میں تفصیل سے باب تیرہویں میں تحقیق و مطالعہ کی مدد سے روشنی ڈالی ہے۔ اس باب میں ہم اس باشعور انسان کے مذہبی رجحانات پر بات کریں گے کہ قدیم انسان کیسے اور کیوں مذہب کی جانب متوجہ ہوا اور رفتہ رفتہ انسانی ثقافت کا ایک اہم حصہ بن کر ابھرا۔ اب دنیا کا کوئی بھی انسانی معاشرہ بغیر مذہب کے وجود نہیں رکھتا اور کسی نہ کسی شکل میں انسانی زندگی میں مذہب کا عمل دخل رہا اور موجودہ دور میں بھی ہے۔

انسانی معاشرے میں مذہب کا عمل دخل اس وجہ سے بھی زیادہ رہا ہوگا کہ انسان دوسری مخلوقات سے اشرف ہے اور شعور رکھتا ہے یہ اپنے لئے اوزار، ہتھیار، خوراک اور مکان بنا سکتا ہے یہ قدیم زمانے سے ایک بہتر مستقبل کیلئے منصوبہ بندی کرتا رہا ہے۔ یہ اپنے ماضی سے سبق سیکھتا ہوا
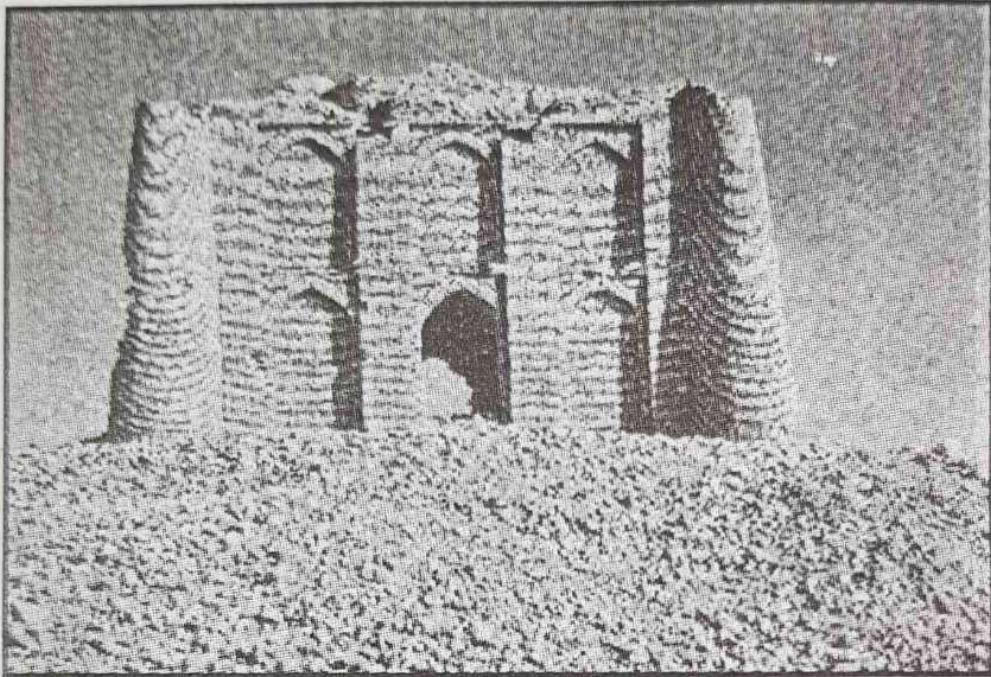
(بلوچستان ، قدیم عمارت ڈھاڈر شہر میں)
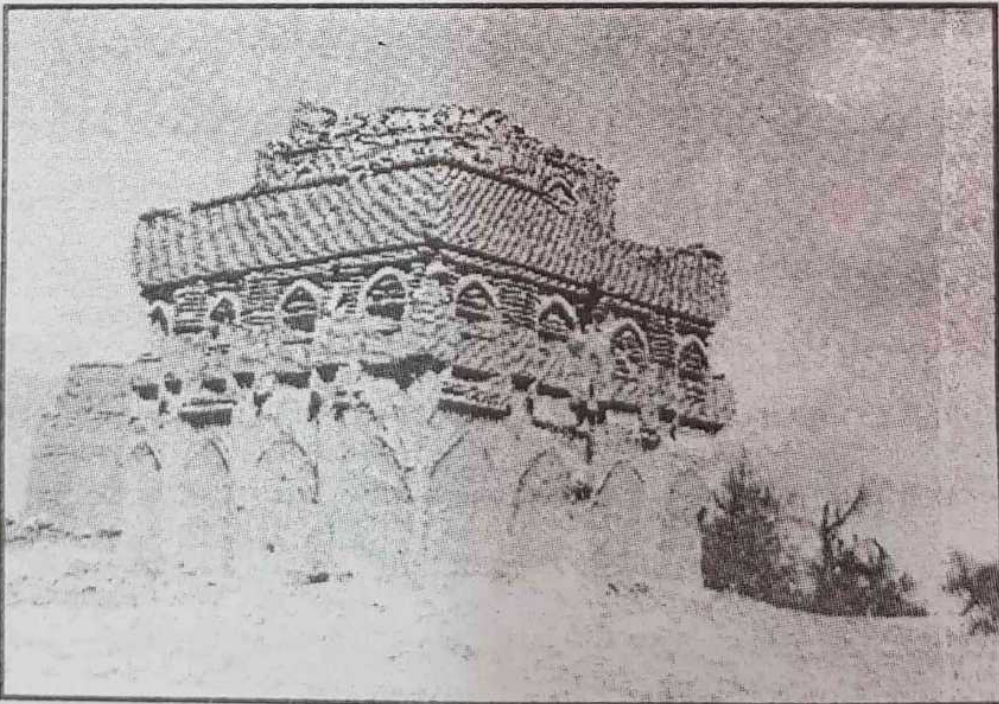
(بلوچستان ، مٹھڑی شہر میں قدیم نامعلوم مقبرہ)

حال کے چیلنجوں کا مقابلہ بھی کر رہا ہے ۔اس نے اپنے بچوں کے بہتر اور پہلے سے زیادہ محفوظ، ترقی یافتہ مستقبل کیلئے جدوجہد کی، ابتداء ہی پر انسان اعلیٰ عقیدے، عظیم ہستی یا ہستیوں کا تصور خیر وشر میں تمیز، موت کے بعد جزاوسزا کا نظریہ شامل نظر آتا ہے۔ابتداء میں تحقیق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان مردہ پرستی، آفتاب پرستی، شجر پرستی، جادو منتر اور ہستی اعلیٰ کے جانب راغب رہا ہے۔

مردہ پرستی ابتداء میں قدیم انسان موت اور حیات میں تمیز نہ کر سکا ہوگا، کیونکہ طبعی موت کا نظارہ کرنے کا موقعہ اسے بہت کم ہی دیکھنے کو ملا ہوگا اس زمانے کا شکاری انسان گروہ کی شکل میں درختوں اور غاروں میں رہتا تھا۔قدیم انسان بوڑھے ہوکر بہت کم مرا، مرنے والے یا تو کسی جنگ میں مارے جاتے یا کسی درندے یا حادثے کا شکار ہو جاتے تھے۔اکثر بھوک و بیماری سے مرجاتے تھے۔ماقبل تاریخ کا انسان موت کو ہمیشہ انہی اسباب کی وجہ سے جانتا تھا، کسی حادثہ یا جنگ میں زخمی یا بے ہوشی طاری ہونے یا کافی دیر تک ہوش وحواس کھو بیٹھنا یا نڈھال ہو کر گر پڑنا جس سے کے ساتھی یہ سمجھ گئے کہ وہ چل بسا لیکن کچھ دیر بعد پھر اس میں حرکت پیدا ہونے سے قدیم انسان میں موت کے بعد زندگی کا تصور پیدا ہوا موت اور بے ہوشی میں فرق محسوس کر لینے کے باوجود انسان جسم اور روح میں کافی عرصہ کے بعد تمیز کر سکا، اس نے روح اور سانس کو ایک ہی چیز کے دو نام دیئے۔

قدیم انسان ابتداء میں مردوں کو زندوں کیساتھ رکھا کرتا تھا۔قبیلے جب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے تو ان مردوں کو بھی ساتھ ہی لے جاتے تھے کیونکہ ان کو اس بات کی توقع ہوتی تھی کہ یہ مردے کسی وقت بھی حرکت کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔اور معاشرے میں ان کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں طویل مدت گزر جانے کے باوجود ان کو یہ امید لگی رہتی، مگر جگہ کی کمی اور نعشوں کے گلنے سڑنے کی وجہ سے مجبوراً اپنے سے جدا کرنا پڑا اس کیلئے دوسرے طریقوں کے بہ نسبت تدفین کا طریقہ بہت عام اور آسان تھا۔زمانہ قدیم میں مردوں کے دفن کئے جانے کے بے شمار آثار دریافت ہوئے ہیں۔قدیم زمانے ہی سے نعشوں کیساتھ ہتھیار، زیورات، اوزار، کھانے

پینے کے برتن اور کھیل کے سامان دفن کرنے کا رواج تھا۔جن کے آثار دنیا کے مختلف قدیم تہذیبوں سے دریافت ہوئے ہیں۔ بلوچستان کے مختلف علاقوں سے ایسے آثار دریافت ہوئے ہیں جن میں قبرستان بھی شامل ہیں۔ان قبروں کی دریافت سے یہ بات واضع طور پر دیکھی گی ہے کہ دیگر علاقوں کے قدیم انسانوں کی طرح بلوچستان کا قدیم انسان بھی اپنے مردوں کیساتھ روزمرہ کی ضرورت کی اشیاء دفناتا تھا اسی طرح بلوچستان کے مختلف آثار وباقیات سے عبادت گاہ اور قبرستان بھی دریافت ہوئے ہیں۔قدیم انسان ابتداء میں مردے زندوں کے محبوب اور منظور نظر تھے ان سے کسی قسم کا خوف یا نقصان کا احتمال نہ تھا بلکہ ان سے والہانہ محبت کی جاتی تھی لیکن تدفین کا رواج ہو جانے کے باعث مردوں سے محبت اور الفت کی جگہ خوف اہراس نے لے لی، مردوں سے ڈرنے اور ان کی طرف دنیاوی مصائب کو منسوب کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں مافوق الفطری قوت کے وجود کو تسلیم کیا جانے لگا۔

قدیم انسان کیلئے سورج سے زیادہ پرکشش اور کیا چیز ہوسکتی تھی اس نے دیکھا کہ سورج ایک جانب سے طلوع اور دوسری جانب غروب ہوتا ہے۔اس کے طلوع ہوتے ہی درخت، پہاڑ، دریا، درندے اور پرندے سب نظر آنے لگتے ہیں سورج کے نکلتے ہی حرارت اور روشنی ملتی ہے ۔جانوروں کا شکار یا درختوں کے پھل اور پتیاں کھا کر بھوک پر قابو پایا ہوگا۔لیکن شام ہوتے ہی سورج کی روشنی مدھم پڑجاتی اور رفتہ رفتہ چمکتا ہوا آفتاب غائب ہو جاتا تھا تو قدیم انسان نے سوچنا شروع کیا کہ سورج کہاں سے آتا اور کہاں چلا جاتا ہے اور وہ ہر وقت کیوں نہیں چمکتا ہے۔ اس طرح قدیم انسان پہاڑ پر چڑھ کر سورج کے قریب ہو کر اس کی تعریف میں گانے گاتا اور اس سے نمودار یا طلوع ہونے کی استدعا کرتا ،اس طرح آفتاب پرستی کا آغاز ہوا۔آفتاب پرستی کی طرح چاند بھی انسانی توجہ کا مرکز بنا رہا اس کے لئے علاوہ قدیم انسان سورج اور چاند کے علاوہ کسی اور کی بھی پرستش کرتا تھا اس بات کا ثبوت ماہرین آثار قدیمہ نے اپنی دریافتوں کے ذریعے کیا ہے ۔جس میں شجر پرستی کے واضع ثابت موجود ہیں۔ان تمام باتوں کے علاوہ بلوچستان سے دوسرے خطوں کے قدیم تہذیبی آثار سے مورتیاں دریافت ہوئی ہیں جن سے یہ خیال ابھرتا ہے کہ وہ مادر

فطرت کے تصور سے آشنا ہو چکا تھا۔

وادی کوئٹہ کی ثقافت ژوب سے انجیرہ تک پھیلی ہوئی ہے۔ جس کے مختلف مقامات سے انسانی اور جانوروں کی مورتیاں دریافت ہوئی ہیں۔ حیوان پرستی کی رسم بڑی پرانی ہے۔ قدیم زمانہ میں مصر، عراق، ایران اور بلوچستان کے باشندے بھی حیوان پرستی میں کافی عرصے تک مبتلا رہے تھے۔ اس کے آثار اور شواہد ان ممالک کے قدیم ٹیلوں سے کھدائیوں کے دوران ماہرین آثار قدیمہ نے دریافت کئے ہیں۔ اسی طرح بنی اسرائیل کی حیوان پرستی کا ذکر اکثر مذہبی کتابوں میں ملتا ہے۔ بلوچستان میں کئی چشموں کا نام ناگ ہے۔ گلستان کے نزدیک اسپین تیزوہ کے علاقہ میں بلمرغ کے مقام پر پانی کا جو چشمہ ہے وہ ناگ کہلاتا ہے۔ پنجگور اور کیچ مکران میں دو مقامات کا نام ناگ ہے جہاں پانی کے چشمے موجود ہیں۔ جو زمران کی وادی میں واقع ہیں۔ اسی طرح جھالاوان میں بھی پانی کے کئی چشموں کا نام ناگ ہے۔ ان ناموں اور دوسرے آثار سے یہ بات مزید واضع ہوتی ہے کہ قدیم زمانے میں سانپ کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور وہ دیوتا کا مظہر تصور کیا جاتا تھا جس طرح ہندو مذہب میں سانپ کو دیوتا مانا جاتا ہے۔ بلوچستان میں مرکب جانوروں کا کوئی مجسمہ دریافت نہیں ہوا ہے اور نہ ہی برتنوں کے اوپر ان کی تصویریں ملی ہیں قدیم عہد سے مصر اور عراق میں زیادہ تر مرکب جانور مذہبی نوعیت رکھتے تھے۔

ماں کو حال کی طرح قدیم دور میں بھی خاصی اہمیت حاصل تھی اس تصور کے پیش نظر یہ عقیدہ دنیا کے تقریباً تمام مذاہب اور اقوام میں عام تھا کہ زمین سب کی ماں ہے جس طرح ماں دودھ پلاتی ہے اسی طرح زمین انسانیوں کیلئے پانی، خوراک، پناہ گاہ اور دوسرے تمام لوازمات بہم پہنچاتی ہے جو انسان کی اولین ضرورت ہے بلوچستان کے اکثر قدیم ٹیلوں سے ماتا دیوی کی مورتی دریافت ہوئی ہے

بلوچستان کی قدیم تہذیب کے خاتمہ کے بعد بھی یہاں کے باشندے ماتا دیوی کے تقدس پر اعتقاد رکھتے اور اسی مذہب کے پیروکار تھے۔ ماہرین آثار قدیمہ نے وادی ژوب کے پیریانو غنڈی کی دریافت کے دوران ایک مذہبی عمارت سے ماتا دیوی کی مورتی کیساتھ ساتھ کوہان والے بیلوں

کے کئی مجسمے برآمد کئے۔ مسٹر الکاک نے وادی کوئٹہ میں دمب سادات کے قدیم ٹیلے واقع تہہ خانے سے ماتا دیوی کی نسوانی مورتی کے علاوہ بیلوں کے منقش مجسمے بھی دریافت ہوئے ہیں اس کے علاوہ مسٹر ژین میری کاسل نے اورناچ میں نندودمب کی کھدائی سے عمارات اور ماتا دیوی کے کئی مجسموں کے ساتھ ساتھ کوہان والے سانڈھوں کے مجسمے بھی دریافت کئے ہیں جو کافی تعداد میں ہیں۔ اسی طرح قدیم انسان نہ صرف دیوتاوں کے وجود پر عقیدہ رکھتا تھا بلکہ اسے ان دیوتاوں کیساتھ بڑی محبت بھی تھی۔

عراق ایک زمانے میں حال کی طرح تہذیب کا گہوارہ تھا۔ ماہرین تحقیق میں مصروف ہیں کہ کونسی تہذیب زیادہ قدیم ہے۔ وادی دجلہ وفرات کی تہذیب 7 ہزار سال قبل مسیح کی ہے۔ اور جنوبی عراق کے باشندے سمیری تھے۔ یہ لوگ سامی النسل نہیں تھے ان کے عروج کا زمانہ3500 سال قبل مسیح تا 3000 سال قبل مسیح تھا، سمریوں نے سب سے پہلے رسم الخط دریافت کیا تھا۔ عراق ابتداء میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوتا تھا ہر ریاست میں الگ الگ دیوتاوں کی پرستش ہوتی تھی۔ سمری دیوتا سیاست اور اقتدار کیساتھ ساتھ مظاہر قدرت پر بھی حکمران تھے۔ ہر دیوتا فطرت کی کسی نہ کسی شے سے متعلق تھا۔ سمریوں کے ہاں اہم ترین معبودوں کی تعداد تین تھی جو آسمان، زمین اور پانی کے دیوتا تھے۔ عراق ایران اور بلوچستان کے قدیم زمانے سے تجارتی، ثقافتی اور مذہبی تعلقات رہے ہیں۔ بلوچستان جو تین قدیم تہذیبوں کے سنگم پر واقع ہے جس کی وجہ سے بلوچستان کی تہذیب پر ان کے مختلف اثرات پڑے ہیں۔ جن میں دوسرے شعبوں کے علاوہ زیادہ اہم ثقافتی ستون مذہب بھی شامل ہے۔ بلوچستان کی تہذیب اور معاشرے پر ابتداء ہی سے عراق اور فارس کے ثقافتی، لسانی اور مذہبی اثرات زیادہ رہے ہیں۔ جس کا ثبوت بلوچستان سے دریافت شدہ آثار اور موجودہ دور میں ثقافتی، نسلی، لسانی اور مذہب میں مماثلت کثرت سے پائی جاتی ہے۔ لہذا جو بھی مذہب عراق اور فارس میں پروان چڑھا وہ اور ان کی تعلیمات بلوچستان تک ضرور پہنچیں، جیسے سمیری، اکاد، بابلی، ہندو، زرتشت اور اسلام قابل ذکر ہے۔ بلوچستان میں آریائی مذہب کا اثر بھی رہا مگر بدھ مت کے کوئی آثار دریافت نہیں ہوئے

،ہندو دھرم کے اثرات بلوچستان کے طویل وعرض میں آج بھی پائے جاتے ہیں۔مگر ان تمام باتوں کے باوجود بلوچ قوم جو زمانے قدیم سے بحیرہ روم سے دریائے سندھ کے مغربی کنارے تک آباد ہے اور ایک تہذیبی ،لسانی،نسلی اور قومی وحدت ہے جبکہ بلوچ قوم پر مشرق اور شمالی تہذیب کے اثرات بہت ہی کم پڑے ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ ان پر بلوچستان کی ادب وفن ،تہذیب ،مذہب ،زبان اور مویشی پالن اور زراعت کا اثر رہا ہوگا۔

بابل کا پہلا بادشاہ حمورابی تھا جس کا زمانہ 2100 سال قبل مسیح مانا جاتا ہے۔جس نے اکادی حکومت کا خاتمہ کرکے اکادکو اپنا پایہ تخت قرار دیا جس کا نام بابل پڑ گیا (یعنی خدا کا دروازہ) یہ لوگ سامی النسل تھے۔اکادی اور بابلی میں مشابہت کا سب سے بڑا سبب حمورابی تھا وہ قدیم روایات کا بہت دلدادہ تھا حتیٰ کہ اس نے معبدوں کو بھی برقرار رکھا۔مردوگ مقامی دیوتا تھا جسے قومی دیوتا بنادیا گیا مردوک کی اہمیت بڑھانے کیلئے حمورابی نے اس کیلئے نہایت خوشنما مندر تعمیر کرایا۔

قدیم ترین ہندی مذہب کی طرح دراوڑی مذہب کے آثار بھی بلوچستان سے دریافت ہوئے ہیں۔دراوڑی اقوام 3500 سال قبل مسیح میں بحیرہ روم کے علا قے سے نکل کر بلوچستان سے ہوتی ہوئی سندھ ،پنجاب اور ہندوستان کی جانب آباد ہوگئیں۔بلوچستان میں قدیم زمانہ کی مذہبی عبادت گاہیں یا معبد خانے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں جن کا تعلق مختلف اقوام اور مذہب سے ہے ان کے آثار بلوچستان کے طویل وعرض میں پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک وادی اور ناچ میں نندودمب میں کھدائی کے دوران دریافت ہوئی ہے ان میں سے پہلی عمارت کا سلسلہ وہ ہے جو نال اور کلی ثقافت کے باشندوں نے قائم کیا تھا آثار قدیم کی دریافتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان عمارات کو کئی بار تعمیر کیا گیا تھا۔یہاں ایک نئی آبادی وارد ہوئی اور انہوں نے بھی اسی قسم کی نئی عمارت اس پرانی عمارات سے کچھ فاصلہ پر تعمیر کردی،ان نئے آبادکاروں کے زمانے کے جو آثار دریافت ہوئے ہیں ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس دور میں لوہا دریافت ہو چکا تھا۔تانبا اور کانسی کے زمانہ میں بلوچستان کے باشندے آریاؤں کے حملوں کے بعد بھی اپنے مذہبی عقیدے پر

ایک لمبی عرصہ تک قائم رہے ان مذہبی عمارات کے علاوہ بلوچستان کی دوسری قدیم بستیوں سے مذہبی نوعیت کی جو باقیات دریافت ہوئی ہیں وہ زیادہ تر ماتا دیوی یا مادرارض کی مورتیوں اور کوہان والے بیل کے مجسموں پر مشتمل ہیں ان دریافتوں سے بھی قدیم انسان کی مذہبی اقدار پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں دھرتی ماتا کا تصور پایا جاتا تھا۔ اگرچہ سندھ، پنجاب اور بلوچستان کے مختلف علاقوں میں اس دیوی کی صورت میں تھوڑا بہت فرق تھا۔ بلوچستان کے علاقے میں مورتیاں دریافت ہوئی ہیں وہ سندھ سے دریافت ہونے والی مورتیوں کی طرح موٹی اور زیورات سے لدی ہوئی ہیں ان کی شکلیں چڑیاں کی طرح نوکیلی ہیں اور کچھ کی چپٹی بھدی شکلیں بھی ہیں ان مورتیوں کے پیر نہیں ہیں۔ دراوڑوں کی طرح آریا بھی شمال اور مغرب سے بلوچستان کے راستے سندھ اور ہند میں داخل ہوئے جن کا زمانہ تقریباً 19 سوسال قبل مسیح سے 15 سوسال قبل مسیح تک کا ہے۔

بلوچستان کے لوگوں کا ذریعہ معاش قدیم زمانے سے مویشی اور زراعت رہا ہے۔ آب وہوا غیر معتدل ہونے اور زمین کی کم زرخیزی کے باعث محنت زیادہ کرنی پڑی ہے مگر پیداوار نسبتاً کم ہوتی تھی ان کی بڑی خواہش ہوتی تھی کہ پیداوار اچھی ہو اس کیلئے سورج، پانی اور ہوا اہم ہوتے تھے۔ حرارت اور بارش کیلئے آسمان اور سورج کی پرستش کرنی پڑتی تھی ایرانیوں کی طرح بلوچستان میں بھی قدیم زمانے سے آسمان، سورج، چاند، زمین، آگ، پانی اور ہوا کی باقاعدہ عبادت کی جاتی تھی۔ تورانی جنگوں اور قحط کے دوران زرتشت نے مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کی اسے خدمت خلق کی لگن تھی اس عقیدہ کو حل کرنے کیلئے گھر بار کو خیر باد کہا اور سیالان پہاڑ میں سکونت اختیار کرلی زرتشت نے اپنی تعلیمات کی وضاحت کی اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دیئے آخر کار ایران اور توران میں جنگ چھڑ گئی انجام کار زرتشت کو ایک تورانی نے قتل کردیا۔ (بلوچستان کا قدیم نام توران تھا) زرتشتی تعلیمات کا ماخذ اوستا ہے جس کی تصنیف کا آغاز دارا اوستاسپ کے عہد حکومت میں ہوا اس کتاب کے پانچ حصے ہیں۔

1) یاستا 2) گاتھا 3) وسپرڈ 4۔ ونڈیڈاو 5۔ ایشٹ

زرتشتیوں کا دعویٰ ہے کہ اوستا کی تخلیق تمام مخلوقات سے پہلے عمل میں آئی، زرتشت مذہب میں رہا

نیت کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ بلوچستان سمیت اردگرد کے علاقوں میں قدیم زمانے سے مختلف مذہب آئے اور وقت کیساتھ ساتھ ان میں تبدیلیاں آتی گئیں انسانی منتقلی اور جنگوں کی وجہ سے فاتح اقوام ثقافت، زبان کیساتھ ساتھ اپنے مذہب کو بھی منتقل کرتی تھیں جس کی وجہ سے اس علاقے میں کئی مذاہب نے جنم لیا۔ جن میں آتش پرستی، مزدک، آشوری قابل ذکر ہے۔

عرب کے صوبے حجاز کے شہر مکہ میں پیغمبر اسلام محمدؐ 570ء میں پیدا ہوئے تعلق قریش قبیلے کے معزز گھرانے سے تھا۔ شہر سے باہر حرا میں جاتے غور وخوض کرتے چالیس سال کی عمر میں آپ کو پیغمبری عطا ہوئی اس مذہب کے پیرو مسلم یا مسلمان کہلاتے ہیں۔ دنیا میں جتنے بھی پیغمبر آئے ان کا مذہب اسلام ہی تھا۔ انسان ارتقائی مراحل طے کر رہا تھا اس لئے زمانے کیساتھ ساتھ اس کی تعلیمات میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں آخر کار ایک جامع مذہب کی حیثیت سے اسلام سر زمین عرب میں نمودار ہوا پیغمبرؐ اسلام کے بعد ان کے جانشین خلفاء کہلائے ان میں درجہ ذیل بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ جن کے نام ذیل ہیں۔

(1) حضرت ابوبکر صدیقؓ
(2) حضرت عمر فاروقؓ
(3) حضرت عثمان غنیؓ
(4) حضرت علیؓ

بلوچستان میں اسلام کی ابتداء مورخین کے مطابق حضرت عمر فاروق کے عہد میں ہوئی، آپ 13 ہجری میں خلیفہ ہوئے اور ذوالحجہ 23ھ کو شہید کئے گے۔ تاریخ میں درج ہے کہ حضرت عمر نے پہلی بار ایک جماعت مکران بھیجی تا کہ اس علاقے کے حالات وکوائف کا جائزہ لیا جا سکے۔ عربوں کی جماعت نے مکران کے بعض علاقوں کو دیکھا اور واپس جا کر خلیفہ کو رپورٹ پیش کی کہ اس علاقے کی خیر سے اس کی شر زیادہ ہے۔ پہاڑ تو پہاڑ اس کے میدان بھی پہاڑوں سے زیادہ دشوار گزار ہیں اس علاقے میں تھوڑی فوج رکھنے سے اس کے مغلوب ہونے کا خطرہ ہے اور زیادہ فوج کے لئے وہاں غلہ اور پانی نہیں ہے وہ بھوک اور پیاس سے ختم ہو جائے گی چنانچہ بلوچستان پر

لشکر کشی کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔ بعد میں ان کے دور خلافت میں بلوچستان کو فتح کیا گیا اس زمانے میں بلوچستان کا نام توران تھا۔ توران سریانی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی یاحی ہے۔ توران کا علاقہ قلات، جھالاوان لسبیلہ اور کچھی تک پھیلا ہوا تھا۔ بعض جغرافیہ دانوں نے قندابیل کو بدھ (کچھی) کا دارالخلافہ تحریر کیا ہے۔ درہ بولان قندابیل (گنداوہ) سے دور واقع ہے۔ البتہ اس دور میں آج کی طرح شکارپور سے درہ بولان آتے ہوئے گنداوہ کا راستہ استعمال کیا جاتا تھا یہ بلوچستان کا اہم زرعی علاقہ ہے۔ تاریخ اسلام میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق کے عہد میں پہلی بار بلوچستان پر لشکر کشی ہوئی اور مکران کی پہلی فتح 23ھ میں ہوئی بلوچستان پر مختلف اوقات میں خلیفہ اور عرب حملہ اور آتے رہے مگر مستقل قبضہ یا بلوچستان کو فتح کرنے کا خواب سکندر اعظم سے 20 ویں صدی عیسوی تک پورا نہیں ہوسکا۔ مگر مختلف حملوں اور چاروں اطراف میں اسلامی ریاستوں کی وجہ سے بلوچستان میں بھی اسلام تیزی سے پھیلا مگر عرب قبضہ گیر کبھی بلوچستان کو مکمل طور پر فتح نہیں کر سکے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بلوچوں نے کبھی کسی علاقے پر قبضہ کیا اور نہ ہی کسی قوم کو غلام بنایا اور نہ ہی کسی کو اپنے زمین پر قابض ہونے دیا اور نہ غلامی قبول کی، مستند تاریخ اور مورخین کے مطابق بلوچستان میں اسلام کی ابتداء سندھ اور ہند سے پہلے ہوئی مگر میں یہاں باب اسلام کا دعویٰ نہیں کرتا کیونکہ بلوچستان برصغیر کا حصہ نہیں تھا۔

بلوچستان موجودہ دور میں 98 فیصد مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ بلوچوں میں بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح مختلف فرقہ پائے جاتے ہیں۔ مگر بلوچوں کی اکثریت سنی مسلمان ہے۔ بلوچستان کے مختلف قدیم شہروں میں صحابہ کرام اور اولیاء کے مزار زیارات اور مقبریں موجود ہیں۔ بلوچستان اور بلوچ قوم دوسرے تمام مسلمانوں کی طرح مذہبی جوش وخروش سے تہوار مناتے اور تمام لوازمات پورا کرتے ہیں

بلوچستان ایک سیکولر، ترقی پسند سرزمین ہے

باب-9

پاکستان کے عجائب گھر

عجائب گھر (میوزیم) کسی بھی معاشرے کی با مقصد تخلیقات کا نمونہ پیش کرتا ہے اس لحاظ سے عجائب گھر کو معاشرے کے ماتھے کا جھومر کہنا بے جا نہ ہوگا جسے دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ معاشرہ کس قدر ترقی یافتہ اور یہاں کے عوام کتنے باشعور ہیں یہاں کے دانشور اور باشعور عوام نے کتنا کردار ادا کیا ہے انہوں نے اپنی ثقافت، ادب و تاریخ، فن نیز قدیم تہذیبی آثار کو جس حد تک متعارف کرا کے عالمی ادب اور تاریخ میں شامل کیا ہے کیونکہ عجائب گھر کسی بھی معاشرے کے ماضی کا آئینہ ہوتا ہے اور اس میں رکھی ہوئی اشیاء معاشرے کے انمول نوادرات ہوتے ہیں ۔جس میں علم و فن سماجی معاشی و نسلی روایات اقدار اور ماضی چھپا ہوتا ہے جسے دیکھ کر تاریخی عظمت و اہمیت کا احساس ہونے لگتا ہے عجائب گھر میں رکھے ماضی کے انمول نوادرات معاشرے کی پہچان ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر معاشرے کے ماضی حال اور مستقبل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس قوم نے ماضی کی طرح حال کے چیلنجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے مستقبل کے بارے میں کیا منصوبہ بندی کی ہے۔ وہ بھی ایک زمانہ تھا جب عجائب گھر کو دیکھ کر یہ تصور کیا جاتا تھا کہ کاریگری کے یہ عجب نمونے اور قدیم آثاروں کا گودام ہے ان کی تمام تر اہمیت محض یہ تھی کہ وہ حیرت انگیز اور متاثر کر دینے والی چیزیں کتنی قدیم ہیں۔ ان کے اندرونی حالات و بناوٹ کچھ بے لطف اور تاریک ہوتے اور ساتھ ہی ان کو بار بار دیکھنے اور دہرانے کے عمل کی وجہ سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے۔

عجائب گھر ابتدائی دور میں جامد، غیر متحرک اور غیر مثبت ادارہ ہوا کرتا تھا جس کے ذریعے وہ کوئی متحرک مثبت پیغام عوام تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ کیونکہ اکثر عجائب گھر کسی ریاستی اعلیٰ منصب دار، جاگیردار یا سوداگر کی ملکیت ہوتا تھا اور وہ اپنے مالکوں کی شان و شوکت کیلئے ہوتے تھے۔ یہ عجائب خانے تماش بینوں کیلئے حیران کن ہوتے تھے تاہم اب زمانہ بدل چکا ہے اور اس کے ماضی کا وہ کردار ختم ہو چکا ہے اب عجیب و غریب اشیاء اور پرانے اور فرسودہ سامان کا گودام
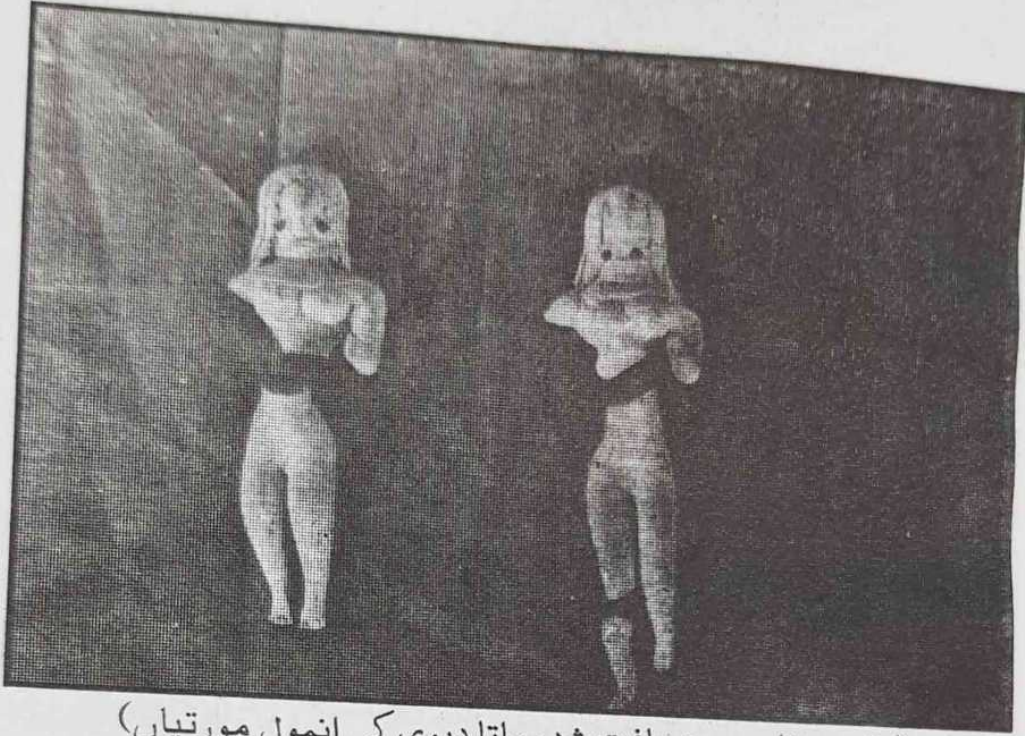
(بلوچستان سے دریافت شدہ ماتا دیوی کی انمول مورتیاں)
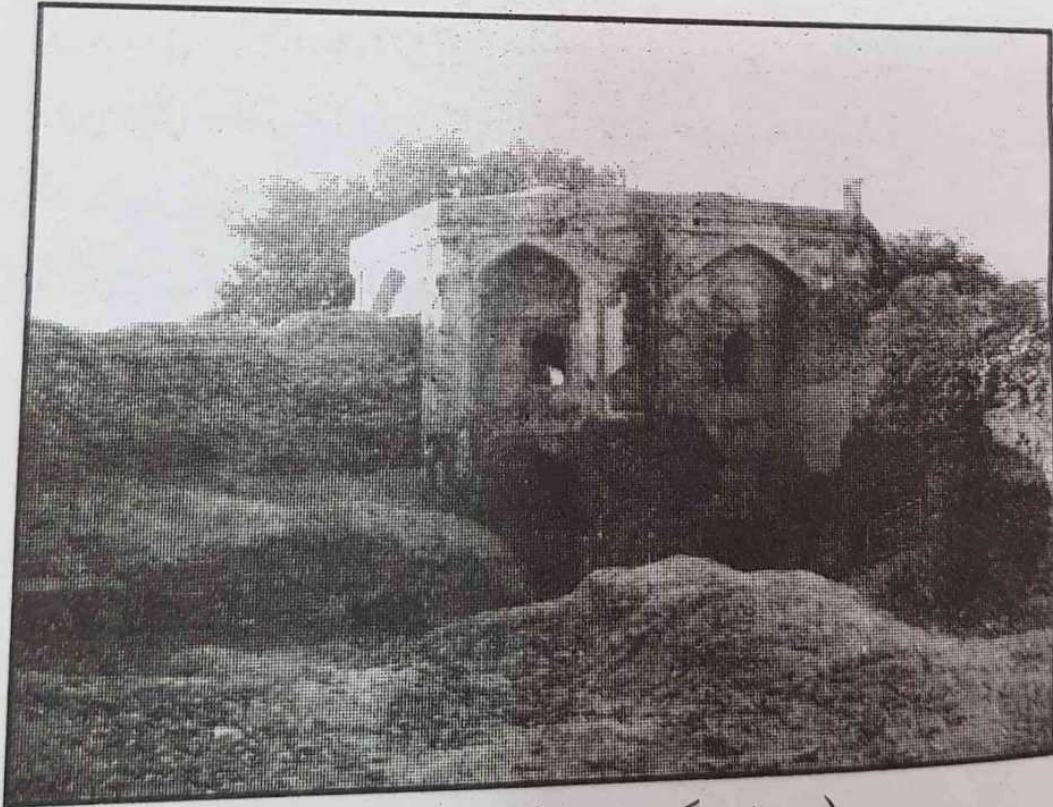
(سردار چاکر خان رند کا مقبرہ (ساتگھر)

نہیں اب یہ عجائب گھر اپنے مالکوں کی شان وشوکت کیلئے نہیں اور نہ ہی تماش بینوں کیلئے حیران کن ہے۔آج کل جس طرح کے عجائب گھر ہمیں نظر آتے ہیں وہ بنیادی طور پر تمام موجودہ تقاضوں کو پورا کرنے والے تعلیمی ادارے بن چکے ہیں جدید دور میں عجائب گھر کے بنیادی فرائض میں بہ حیثیت مجموعی معاشرے کا کردار ظاہر کرنا ہوتا ہے۔موجودہ دور میں ایک جدید عجائب گھر صرف ایک جامد،ساکن ادارہ نہیں رہا بلکہ اب یہ مثبت اور فعال ادارہ بن چکا ہے یہ ترقی تبدیلی اور پھیلاو کی جانب رواں دواں ہے جیسے کسی کی طبعیت بدلتی رہتی ہے یا یوں کہیں کہ لوگوں کا مزاج تبدیل اور سائنس بدل رہی ہے ایسے عجائب گھر موجودہ دور میں ناکام ہو جائیں کے اگر یہ عام لوگوں کیلئے مفید معلومات نہ پہنچائیں اور ساتھ ہی اگر یہ زمانے کے واضع اور جدید تقاضوں کیساتھ ہم آہنگ نہ ہو سکے۔

پاکستان میں عجائب گھر کا آغاز 1851ء میں ہوااور پہلا عجائب گھر کراچی میں قائم کیا گیااس کے بعد دوسرا1864ءکولاہور میں
قائم ہوا،سرکھ موہن میوزیم کوئٹہ 1900ء میں قائم کیا گیااس میوزیم کا باقاعدہ افتتاح 1906ء میں ہوا۔اسی طرح پشاور میں 1907ءکو میوزیم قائم ہوا۔یہ تمام عوامی میوزیم تھے ان میں مختلف قسم کی تاریخی اور ثقافتی اشیاءرکھی گئی تھیں ان عوامی عجائب گھروں کے قیام کے بعد پاکستان کے مختلف شہروں میں بہت سے تدریسی عجائب گھر قائم ہوئے جن کا شمار اس دور کے قابل ذکر تاریخی و تدریسی عجائب گھروں میں ہوتا تھا ان میں لائکپور میوزیم 1906ء،لاہور میوزیم 1910ء،پشاور میوزیم 1934ءاور راولپنڈی میوزیم 1936ء میں قائم ہوئے تھے اسی دوران بڑے پیمانے پر آثار قدیم کی کھدائیوں کا آغاز ہوا ان کھدائیوں کے نتیجے میں تین ضلعی میوزیم جن میں ٹیکسلا 1919ء،موہنجوداڑو 1925ءاور ہڑپہ میوزیم 1926ءمیں قائم ہوئے،ان تینوں میوزیموں کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ دوسرے میوزیمز سے کچھ مختلف نوعیت کے تھے وہ یہ کہ ان کے اردگرد سائٹ میوزیم کھنڈرات بھی موجود تھے جن کو کھدائی کے بعد عوام کیلئے کھول دیا گیا۔

(مہر گڑھ، بلوچستان یونیورسٹی کی ٹیم کا فرانس آرکیالوجیکل ٹیم کے ہمراہ گروپ فوٹو)

قیام پاکستان 1947ء تک میوزیمز کی تعداد تقریباً 48 تھی جن میں عوامی ،تدریسی، ڈیپارٹمنٹل اور کچھ پرائیوٹ عجائب گھر بھی شامل تھے اس وقت پاکستان میں تقریباً60 سے زائد عجائب گھر قائم ہیں جو کہ کام کر رہے ہیں وفاقی حکومت کے تعاون سے چند ادارے قائم کئے جن میں سائنس اور ٹیکنالوجی جو 7 جولائی 1976ء کولاہور میں قائم کیا گیا لیکن عام طور پر یہ عوامی عجائب گھر نہ کہلا سکے ان کے علاوہ صوبائی حکومتوں نے بھی عوامی عجائب گھر قائم کئے ہیں۔ پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں بھی تدریسی عجائب گھر قائم کئے گئے ہیں جن میں سند ھیالوجی میوزیم قابل ذکر ہے۔اس کے علاوہ پشاور یونیورسٹی میں ملک کا جدید ترین میوزیم قائم کیا گیا ہے۔جس پر کروڑوں روپے لاگت آئی ہے۔یہ میوزیم جاپان گورنمنٹ کے فنڈ اور تعاون سے تعمیر کیا گیا ہے۔

بلوچستان کا سرکھ موہن میوزئم کوئٹہ 1935ء کے زلزلے میں تباہ ہو گیا اس میوزیم میں رکھے گئے انمول نوادرات اور ثقافتی مواد وائسرائے ہند کی ہدایت پر ممبی اور کلکتہ میوزیم میں منتقل کردیئے گئے اور بعد میں بلوچستان کے انمول نوادرات ،ثقافتی اور قومی ورثہ کولندن روانہ کر کے ان تمام اشیاء کو برٹش میوزئم میں منتقل کر دیا گیا۔ پاکستان محکمہ آثار قدیمہ کے تعاون سے بی شہر میں عجائب گھر قائم کیا گیا محکمہ کی عدم دلچسپی کی وجہ سے چند سال قبل اسے بھی بلوچستان ہائی کورٹ بینچ کے حوالے کر کے عجائب گھر میں رکھے نوادرات پاکستان کے دوسرے عجائب گھروں کے درمیان ماسوائے بلوچستان کے بانٹ دیا گیا۔صوبائی محکمہ آثار قدیمہ کی تعاون سے پورے بلوچستان میں صرف ایک عجائب گھر جو 1972ء میں قائم کیا گیا تھا اور آج بھی میوزیم بغیر اپنی عمارات کے شہر کی کسی گلی میں گم نامی کی زندگی گزار رہا ہے۔اس امید کیساتھ کہ شاہد اسے کبھی اپنا عمارت نصیب ہو۔ بلوچستان جو رقبہ کے لحاظ سے ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے مگر عجائب گھر کیلئے کوئی زمین کا ٹکڑا نہیں، فی الحال بلوچستان کا یہ اکلوتا عجائب گھر کوچہ و بازار میں بھٹکتا پھر رہا ہے۔

باب-10

بلوچستان میں علم آ ثار قدیمہ کی ابتداء

علم آ ثار قدیمہ کی ابتداء 19 ویں صدی عیسوی میں یورپ (ڈنمارک) سے ہوئی اور بلوچستان میں یہ کچھ تاخیر سے شروع ہوئی بلوچستان باختری عراقی اور ہندوستانی تہذیبوں کے سنگم پر واقع جانبین ہیں رابطے کی اہم اور واحد گزرگاہ رہی ہے کیونکہ یہ قدیم تاریخی گزرگاہ کم دشوار اور فاصلے کے اعتبار سے بھی زیادہ طویل نہ تھی جس کا مشہور قدیم تاریخی درہ بولان ہے اسے عبور کر کے سندھ طاس میں داخل ہونا ممکن تھا اسی وجہ سے یہاں ماہرین آ ثار قدیمہ کو تہذیبوں سے مماثلت اور رابطے پیدا کرنے کیلئے بلوچستان میں تحقیق کا آغاز کرنا پڑا کیونکہ یہاں رابطے کی ٹوٹی کڑی کو جوڑنے کی امید نظر آ رہی تھی ان ماہرین کا خیال تھا کہ موجودہ دور کی طرح بلوچستان قدیم زمانے میں بھی کم آباد، غیر مہذب اور پسماندہ رہا ہوگا لہذا قدیم تہذیبی آ ثار نا پیدا ہونگے مگر ماہرین آ ثار قدیمہ نے اردگرد کے تہذیبی آ ثار کی ٹوٹی کڑی کو مربوط کرنے کیلئے یہاں تحقیق کرنے کی آزمائشی جستجو کی اور وہ اس میں ہر ممکن حد تک کامیاب بھی ہوئے انہی ماہرین آ ثار قدیمہ کی کاوشوں کی وجہ سے آج بلوچستان عالمی سطح پر قدیم تہذیبی اور تاریخی حوالے سے کافی متعارف ہے۔

ہندوستان میں آ ثار قدیمہ کی ابتداء 1861ء میں ہوئی جنرل الیگزینڈر کھنگم کو ہندوستانی آ ثار قدیمہ کا ابوالاباء کہا جاتا ہے 1862ء میں ہندوستانی حکومت نے آرکیالوجیکل سروے کی ایک اسامی قائم کی جس پر الیگزینڈر کھنگم کا تقرر ہوا مگر 20 ویں صدی عیسوی میں ہی آ ثار قدیمہ کی کھدائی کا کام بڑے پیمانے پر شروع ہوا ہندوستان کے وائسرے لارڈ کرزن کی ذاتی دلچسپی کا ممنون ہونا چاہئے کہ 1901ء میں آرکیالوجیکل سروے کی اصطلاح ایجاد ہوئی جان مارشل محکمہ آ ثار قدیمہ کے پہلے ڈائریکٹر جنرل مقرر ہوئے سر جان مارشل کی سربراہی میں آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کی عظیم فتح بلاشبہ سندھ تہذیب کی دریافت تھی۔

بلوچستان میں آثار قدیمہ کے ابتداء شواہد شمالی علاقہ ضلع ژوب اور دکی کے مقام سے 1998ء میں ملے ہیں ماہرین آثار قدیمہ نے پریانو غنڈی، رانا غنڈی، مغل غنڈی اور ڈابرکوٹ کے قدیم آثار دریافت کئے مسٹرایے جے رائس نے 1951ء میں ضلع ژوب ولورالائی میں کھدائی کرکے رانا غنڈی سے ماتا دیوی کے مجسمے دریافت کئے اس طرح آثار قدیمہ کی ابتدائی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلوچستان میں بھی 19ویں صدی عیسوی کی آخری دہائی میں محکمہ آثار قدیمہ نے کام شروع کیا پریانو غنڈی وادی ژوب سے 6 کلومیٹر مغرب میں دریائے ژوب کے کنارے واقع ہے اسے پہلی بار 1898ء میں دریافت کیا گیا جب کہ پہلی بار اس ٹیلے پر 1927ء میں کھدائی ہوئی اس کے بعد دوسری بار اس ٹیلے پر 1952ء اور 1970ء میں کام ہوا پریانو غنڈی سے مٹی کے برتن دریافت ہوئے جن پر مچھلی چڑیا وغیرہ کے علاوہ چھوٹی جام نما بوتلیں زیادہ اہم تھیں جانوروں اور عورتوں کے مجسمے بھی یہاں سے دریافت ہوئے ہیں دریائے ژوب جنوب کی جانب سندھ کے میدان کی طرف بہتا تھا ان میں سے ایک مشہور بستی رانا غنڈی ہے جس پر مسٹرایے جے رائس نے 1951ء میں تحقیقی کھدائی کا کام کیا جو کہ 40فٹ بلند ٹیلہ تھا ان کے برتنوں کا رنگ بھورے اور سرخ کا امتزاج ہے یہاں سے ماتا دیوی کے مجسمے بھی برآمد ہوئے ہیں ان تہذیبی آثار کا تعلق تانبا کے عہد سے تھا۔

بلوچستان کی قدیم آبادیوں سے دریافت ہونے والے برتنوں جن میں خاص طور پر وہ برتن جن پر تصویریں بنی ہوئی ہیں ان کے مطالعہ سے ہم قدیم ثقافتی آثار کی تقسیم کرسکتے ہیں جنوب میں زرد رنگ کے اور شمال میں سرخ رنگ کے برتن دریافت ہوئے ہیں انہی مٹی کے برتنوں کی بناوٹ بھی مختلف ہے کوئٹہ کے اردگرد اور جنوب میں پروفیسر اروٹ پکٹ نے مٹی کے برتنوں کا ایک سلسلہ دریافت کیا تھا انہیں ظروف کا نام دیا گیا جس سماج کی یہ برتن پیداوار تھے اسے کوئٹہ ثقافت کا نام دیا گیا ابتداء میں کوئٹہ ثقافت کا دائرہ کوئٹہ شہر کے قریبی پانچ ٹیلوں تک محدود سمجھا گیا لیکن بعد میں مزید کھدائیاں اور تحقیق سے اس کا دائرہ تقریباً 160 کلومیٹر جنوب کی جانب پھیل گیا اس طرح کوئٹہ سے لے کر توغو، قلات، سوراب، سیاہ دمب اور انجیرہ تک کو کوئٹہ ثقافت تسلیم کیا

جانے لگا ابتدائی پانچ ٹیلوں سے جو برتن دریافت کیئے وہ مخصوص طرز پر بنے چند مٹی کے ظروف تھے اور کچھ پتھر سے تراشے ہوئے برتن بھی تھے جو نیم شفاف دودھیا پتھر جو تقریباً سنگ مرمر جیسا ہوتا ہے ان پانچ ٹیلوں میں سب سے بڑے ٹیلے مدفون بستی کی لمبائی تقریباً 250 میٹر تھی اور چوڑائی بھی اتنی ہی تھی یہ آبادی سطح زمین سے 45 سے 50 فٹ اونچی تھی قدیم دور میں ایک چھوٹی سی بستی رہی ہوگی جس کے مکانات گارے یا کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے اسی بستی سے دریافت کیا جانے والا ظروف نہایت اہمیت رکھتا ہے ان برتنوں کا رنگ زرد اور ان پر نقش نقاشی کی ہوئی تھی جو سرخی مائل بھورے رنگ سے بنے ہوئے تھے اور ان پر ایک رنگ استعمال کیا گیا تھا جو زیادہ خصوصیات اور دلچسپی کا باعث تھا کیونکہ پورے بلوچستان میں تمام برتنوں پر ہمیشہ دو رنگ استعمال ہوئے ہیں بعض برتن سالم بھی دریافت ہوئے ہیں جن کی درجہ بندی اور ثقافتی و معاشی نوعیت بندی کی گئی ہے مس بیٹریس دو کارڈی نے قلات ڈویژن میں جو کھدائی کروائی تھیں اور ڈاکٹر والٹر ائے سروس جونیئر نے ژوب کوئٹہ میں جو تحقیقاتی کام کیئے ان سب سے کوئٹہ ثقافت کا دائرہ وسعت پکڑتا ہوا بلوچستان ہی نہیں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی وسیع تر ہوتا گیا مس بیٹریس دو کارڈی نے خود دو مقامات انجیرہ اور سیاہ دمب سوراب میں تفصیلی کھدائی کرائی تھی یہاں ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ بلوچستان میں سیاہ دمب نام کے کئی تہذیبی آثار ہیں مگر ماہرین آثار قدیمہ نے صرف تین ٹیلوں پر کھلائیاں کی ہیں ان میں سیاہ دمب (سوراب) سیاہ دمب (نندارہ) ہے یہاں ہم ان پر جامع مگر مختصر روشنی ڈالیں گے

مس بیٹریس دا کارڈی نے جو تحقیقی کھدائیاں انجیرہ کے مقام پر کی ہیں اور جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ یہاں کے قدیم باشندے جدید حجری دور کے نیم خانہ بدوش تھے اور وہ اس علاقے میں تقریباً 3500 سال قبل مسیح سے آباد تھے انجیرہ ایک وسیع و عرض ٹیلے پر مشتمل ہے جو دریائے انجیرہ بالائی دریائے مولہ کا معاون دریا ہے یہ سوراب سے تقریباً 22 کلومیٹر جنوب کی طرف اور لا کھوڑیاں کے عظیم گر بند سے تقریباً سات کلومیٹر دور شمال کی جانب واقع ہے انجیرہ ٹیلہ پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے جب کہ موجود گاؤں انجیرہ کا کھلے میدان میں آباد ہے دمب (ٹیلہ) کے

ارد گرد قدیم ٹوٹے برتنوں کے ٹکڑے ہر جانب بکھرے پڑے ہیں اس زمانے میں برتن کمہار کی چاک پر بنتے تھے برتنوں کا رنگ زرد اور سرخ ہوتا تھا یہ لوگ زیادہ تر بھیڑ بکری پالتے تھے زراعت پیشہ لوگ تھے دمب کی چوٹی پر ایک وسیع وعریض تقریباً 52 فٹ لمبی عمارت کے آثار ملے ہیں دمب کے کھدائی سے اوپر تلے چار مدفون آبادیوں کا پتہ چلا ہیں سطح کے اوپر پانچوں آبادی تھیں جن کے آثار بہت کم باقی رہ گئے ہیں انجیرہ کے قدیم ٹیلے سے حجری اوزاروں کی صنعت کے آثار دریافت ہوئے ہیں زیادہ تر سوراخ کرتے تاشے اور چھلنے والے بیل کے مجسمے بھی دریافت ہوئے ہیں

سیاہ دمب سوراب میں جو تحقیقی کھدائیاں ہوئی ہیں ان سے اس جگہ کی قدیم آبادیوں کا زمانہ اور انجیرہ کا زمانہ ایک ظاہر ہوتا ہے اور ان کی سماجی اور مادی ترقی کا معیار بھی انجیرہ کے برابر ہے یہ بستی بھی انجیرہ کی طرح پہاڑی ٹیلہ پر بسائی گئی تھی جس کا رقبہ تقریباً 16000 مربع فٹ ہے بستی کے چاروں جانب فصیل تعمیر کی گئی تھی جس کے آثار دریافت ہوئے ہیں سیاہ دمب سوراب انجیرہ کے تیسرے دور سے تعلق رکھتا ہے بستی کے لوگ کچی اینٹوں کے تعمیر شدہ گھروں میں رہتے تھے یہاں کے باشندے کوئٹہ کلچر کے برتن استعمال کرتے تھے یہ زرعت پیشہ ہونے کیساتھ ساتھ گلابانی بھی کرتے تھے کوئٹہ ظروف کی طرح ابتداء میں ٹوکری کے بنے برتن تھے جو بعد میں ان میں کچھ تبدیلی آئی اسی طرح سے تعمیرات میں ترقی ہوئی سماجی طور پر نیم خانہ بدوشی سے ترقی کرتا ہوتی ہوئی یہ آباد بستی میں ڈھلتے ہوئے سماج میں تبدیل ہوئی جو زراعت پیشہ بن جاتی ہے وہ لوگ بھیڑ بکری گائے اور بیل پالتے تھے اس بستی میں آبادی کی تین سطحیں دریافت ہوئی ہیں۔

پاکستان سے الحاق سے قبل ریاست بلوچستان کا دارحکومت قلات ہوا کرتا تھا جسے یہ شرف کئی صدیوں تک حاصل رہا قلات شہر سے تقریباً 17 کلومیٹر شمال مغرب کی جانب ایک گاؤں ''توغو'' ہے اسی گاؤں سے ایک کلومیٹر مشرق کی جانب ''توغو دمب'' واقع ہے توغو ظروف انجیرہ کے شہری زمانے سے تعلق رکھتے ہیں نہایت نفیس سخت اور اچھی طرح سے آگ میں پکائے ہوئے کھنکھناتے برتن ہیں ان ظروف پر سنگتری رنگ چڑھایا گیا اور ان ظروف کے چار مرحلے بتائے

گئے ہیں۔دراصل یہاں یہ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ توغو کے قدیم تہذیبی آثار محترمہ بیٹرلیس دو کارڈی نے 1948ء میں دریافت کئے اوران کوتوغوثقافت کا نام دیا گیابعد میں دوسرے ماہرین نے اسے قلات ثقافت کا نام دیالیکن یہ دراصل تحقیق سے ثابت ہوا کہ یہ کوئٹہ ثقافت ہی کا حصہ ہیں۔

کوئٹہ کی شمالی جانب تقریباً 6 کلومیٹر کے فاصلے پر کلی گل محمد واقع ہے یہاں ایک قدیم تہذیبی آثار کی باقیات ٹیلے کی شکل میں ہیں ماہرین آثارقدیمہ نے اس کا زمانہ تقریباً پانچ ہزار سال قبل مسیح ظاہر کیا ہے اس کی قدیم ترین آبادی میں زراعت پیشہ لوگ آباد تھے جوبکری، بھیڑ یئے ،گائے ،اور بھینس پالتے تھے غالبا وہ اجناس کی چند اقسام کاشت کرتے تھے جن میں گندم جواور باجرہ قابل ذکر ہیں یہ تھوبے کی بنی دیواروں پرگھاس پھوس پر چٹھائی کی جھونپڑیاں بنا کر رہتے تھے کوئٹہ کی قدیم طرز تعمیر کا بغور جائزہ اور تفصیلی مطالعہ سے یہ بات مزید واضع ہوتی ہے کہ ماضی کی طرح آج 21 ویں صدی عیسوی میں بھی بلوچستان کے گاؤں بلکہ اکثر شہروں میں اسی طرز تعمیر کو اپنایا گیا ہے یہی انداز قدیم دور میں کلی گل محمد اور کیچی بیگ میں ہوا کرتے تھے اس دور کے لوگ نیم خانہ بدوشی سے زیادہ قیام پسند ہوگئے تھے۔یہاں کے دوسرے مرحلے اور تیسرے مرحلے کے لوگ ہاتھ سے برتن بناتے تھے تیسرے مرحلے کے لوگ کمہار کی چاک سے واقف ہوئے تو برتنوں کو چاک پر بنانا شروع کیا اور چوتھے مرحلے میں کچی بیگ ثقافت نظر آئی جو کلی گل محمد کا تسلسل تھی اس دور میں تانبے کے اوزار نمودار ہوئے جن کا آغاز کلی گل محمد سے ظاہر ہوتا ہے کلی گل محمد کا زمانہ پانچ ہزار سال قبل مسیح اور اختتام ہزار سال قبل مسیح بنایا جاتا ہے۔

خضدار سے تقریباً 35 کلومیٹر جنوب مغرب کی جانب نال ٹاون کے قریب سرخ دمب کا قدیم ٹیلہ واقع ہے اس پر پہلی بار 1903ء دوسری بار 1923ء میں کام ہوا مسٹر ہارگریوز ماہر آثار قدیم نے اس میں خوبصورت نقش والے برتن اور ایک قبرستان بھی دریافت کیا یہ لاشیں شرقاً غرباً دفن تھیں اس کے علاوہ سنگ مرمر، تانبا اور چاندی کی اشیاء بھی کثیر تعداد میں ماہرین نے دریافت کی ہیں۔سندھ میں اس کے نمونے غازی شاہ ار آمری کے قدیم ٹیلوں سے دریافت کئے
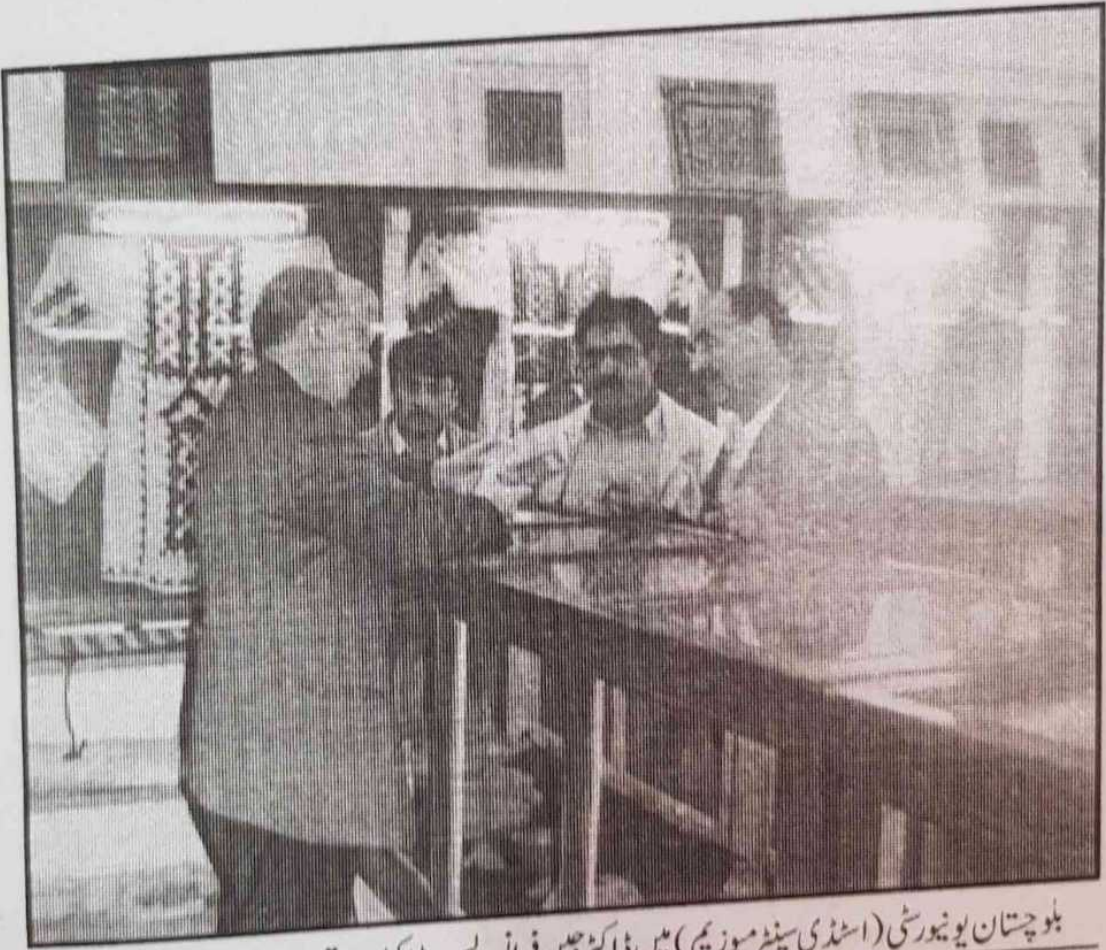
بلوچستان یونیورسٹی (اسٹڈی سینٹر میوزیم) میں ڈاکٹر جین فرانسوئیس، ڈاکٹر رزاق صابر، درجان اور رضا بلوچ

گے ہیں جو ماقبل ہڑپہ تہذیب سے تعلق رکھنے تھے قدیم نال کے بارے میں پروفیسر تو ارٹ پگٹ نے 1946 ء میں کچی بیگ اور دمب مادات میں کامیابی حاصل کی ان مقامات سے اعلیٰ قسم کے مٹی کے برتن برآمد ہوئے ساتھ ہی تانبا اور کانسی کے عہد کے آثار بھی دریافت ہوئے اس کے بعد نیچرل ہسٹری میوزیم آف امریکہ کی ٹیم سے مشہور ماہر آثار قدیمہ مسٹر رال جے فیر سروس کی زیر نگرانی 1950 ء میں بڑا مفید کام کیا انہوں نے وادی کوئٹہ میں درجن سے زائد قدیم ٹیلے دریافت کئے جن کا تعلق تانبا کے زمانے سے تھا کوئٹہ شہر کے جنوب مغرب کی جانب تقریباً 17 کلومیٹر کے فاصلے پر دمب سعادات واقع ہے یہاں 1950 ء میں کھدائی ہوئی یہاں سے آبادی کے تین مرحلے دریافت ہوئے پہلے مرحلے میں ایک چبوترہ دریافت ہوا جس کی بنیاد کے ایک کونے میں پتھروں سے تعمیر شدہ ایک تہہ خانہ دریافت ہوا اسی کھدائی سے ایک دیوی کی مورتی (مجسمہ) بھی ملا جو ایک چھوٹے سے پلیٹ فارم پر نصب کیا گیا جس کے بارے میں رائے ہے کہ یہ ژوب دیوی کی شبیہہ ہے۔ لسبیلہ اور جھالاوان کے درمیان واقع اور ناچ کے علاقے میں تانبا دور کے ٹیلے دریافت ہوئے ہیں یہاں وزنی پتھروں سے تعمیر شدہ عمارتیں موجود تھیں ایسی ٹھکریاں یہاں سے بر آمد ہوئی ہیں جو ہڑپہ تہذیب کی آئینہ دار لگتی ہیں سنگین، قلات اور بلبل کے مقامات سے دو قدیم بستیاں دریافت ہوئیں جن کی عمارات پتھر کی بنی ہوئی تھیں درہ مولہ میں گنداوہ سے تقریباً 11 کلو میٹر کے فاصلے پر ایک بستی کے آثار دریافت ہوئے ہیں جن میں سندھ کی تہذیب کی عکاسی پائی گئی ہے نتائج مرتب کرنے والے ماہرین بلوچستان کے اکثر تہذیبی آثاروں کو سندھ تہذیب کے آئینے میں مگر اپنی خواہش کے مطابق دیکھتے تھے جبکہ اصل صورتحال اس کے برعکس تھی بلوچستان کی اپنی تہذیبی سلسلے کی کڑی تھی زمانے کے اعتبار سے بھی بلوچستان کی تہذیب زیادہ اقدیم اور بنیادی رشتے بھی سرزمین سے وابستہ ہیں اسی طرح لسبیلہ کے شمال میں 15 کلومیٹر کے فاصلے پر ''دلپٹ'' کے میدان کے شمال میں ''میڈٹ'' کے کھنڈرات میں دو آبادیوں کے آثار دریافت ہوئے ایک آبادی کے باشندے ''کلی کلچر'' اور ورکری کے ''ایرانی لونڈ و کلچر'' سے تعلق رکھتے تھے

فرانسیسی آرکیا یوجیکل مشن کے سربراہ موسیو زین میری کاسپل نے 1961ء میں بلوچستان کے جنوبی علاقے کا رخ کیا اور جھالاوان (وڈھ) اور وادی ناچ میں آثار قدیم کی تلاش کی ابتداء کی یہاں سے ایک عبادت گاہ کے آثار بھی برآمد ہوئے جو مینار کی شکل میں بنی ہوئی تھی یہ اول الذکر عبادت گاہ وکلی کلچر کی بجائے ایرانی ''لونڈو کلچر'' سے متعلق معلوم ہوتی تھی ان عمارتوں سے مٹی کے برتنوں کے ایسے ٹکڑے ملے ہیں جن پر قدیم رسم الخط میں تحریریں گندہ کی ہوئی تھیں۔

جنوبی بلوچستان کی طرح مکران اور ساحلی علاقوں میں تہذیبی آثار ماہرین نے دریافت کئے ہیں مکران کا ساحلی علاقہ تجارتی مواصلاتی اور عسکری نقطہ نظر سے بڑی اہمیت کا حامل قدیم دور کا علاقہ رہا ہے ماہرین آثار قدیمہ کی تحقیق اور مطالعہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ مکران بھی دیگر علاقوں کی طرح ایک ہی تسلسل کی کڑی ہے مکران کے تہذیبی آثار کے مطالعہ اور تحقیق سے مزید نظریہ پختہ ہوا کہ قدیم کے تجارتی تعلقات سندھ ایران اور سمیری تہذیب سے گہرے تھے جس کے بارے میں بعض سمیری کتبوں سے اس کے شواہد دریافت ہوئے ہیں ماہرین آثار نے اس علاقہ میں جن بستیوں کو دریافت کیا ان میں سنگہ گیں ڈور، سنگہ گیں کوہ اور بالا کوٹ نمایاں ہیں، سنگہ گیں ڈور دریائے دشت کے کنارے پر واقع ہے۔اس کے معنی بلوچی زبان میں جلے ہوئے ٹیلے کے ہیں اس ٹیلے پر ماہرین نے تفصیلی کھدائی کی ہے۔ یہاں سے مٹی کے برتنوں کا ایک طویل سلسلہ بھی دریافت کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ قلعہ اور قبرستان اور دوسری تعمیرات دریافت کی گئی ہیں جن کی دیواروں کو نیم تراشیدہ پتھر کی سلوں سے تعمیر کیا گیا تھا بناوٹ کے لحاظ سے ہڑپہ دور سے زیادہ مماثلت رکھتے ہیں یہاں ایک مسلسل آبادی کے آثار بھی دریافت ہوئے جو کلیتاً ہڑپہ ثقافت پر مشتمل نظر آتے ہیں۔

مکران میں سنگہ گیں کوہ ساحل سمندر کے نزدیک پسنی بندرگاہ سے تقریباً 14 کلومیٹر شمال کی جانب کوہ تلار کے دامن میں واقع ہے یہ سنگہ گیں ڈور سے مماثلت رکھتا ہے قدیم دور میں بھی یہاں کے باشندوں کا سب سے بڑا پیشہ ماہی گیری تجارت اور جہاز رانی ہوتا تھا سنگہ گیں کوہ کے تہذیبی آثار سے تحقیق کے دوران گھونگے سیپ اور مچھلی کی ہڈیوں کے بنائے ہوئے زیورات

اور منکے کثیر تعداد میں ماہرین نے دریافت کئے ہیں جن سے آمد ورفت کے تعلقات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے بالاکوٹ کے تہذیبی آثار ضلع لسبیلہ میں سونمیانی بندرگاہ کے قریب جب ندی کے کنارے واقع ہے اس کے آثار وباقیات کی دریافت سے بھی اس بات کو تقویت ملی کہ یہ سارا علاقہ ایک ہی تہذیب کا تسلسل ہے جس کے آثار دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں اس کے گہرے رشتے سندھ اور ایران سے زیادہ قریب ہیں جس کی سب سے بڑی بندرگاہ مکران ہے جو موجودہ دور کی طرح قدیم دور میں بھی تہذیبی گیٹ وے تھا

مہرگڑھ کے مقام پر آثار قدیم دریافت ہوئے جن کا تعلق بولان کی تہذیب سے تھا یہ ڈھاڈر سے تقریبا15 کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے بولان کے کنارے واقع ہے۔ پہلی بار مہرگڑھ
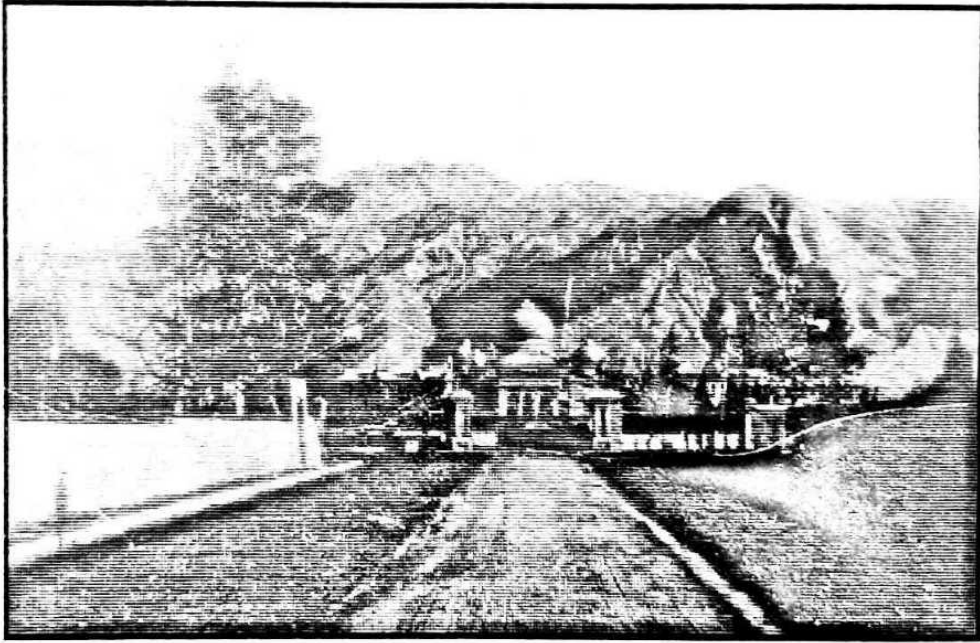
(سنڈیمن ہال کوئٹہ کا1935ء کے زلزلے سے قابل کا ایک منظر)

کے آثار فرانسیسی ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر جین فرانسولیس اوران کی ٹیم نے 1974ء میں دریافت کئے یہ دنیا کے قدیم ترین تہذیبی آثار ہیں جن کا زمانہ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق 9 ہزار سال قبل مسیح کا ہے مہرگڑھ کے تہذیبی آثار کچی طاس اور درہ بولان کے سنگم پر واقع ہیں مہرگڑھ سے 9 کلومیٹر کے فاصلے پر نوشیرہ شہر واقع ہے۔اس کے قدیم تہذیبی آثار اور باقیات کا زمانہ تقریبا **2700** سال قبل مسیح کا ہے اسی طرح سبی سے تقریبا16 کلومیٹر جنوب کی جانب پیرک کے قدیم تہذیبی

آثار واقع ہیں جن کے عروج کا زمانہ 2300 سال قبل مسیح ہے اس طرح دریائے بولان کے دہانے پچھی اور درہ بولان کے سنگم پر تین قدیم شہر آباد رہے ہیں یہ تینوں قدیم شہر جو وادی بولان کے تہذیبی آثار کا تسلسل ہیں جن کے آثار رو باقیات کو آج زمین کیلئے مزید محفوظ کرنا ہے اور جن کو تحفظ دینا ہم سب کی پہلی ذمہ داری اور قومی فرض ہے قومی ورثہ کو تحفظ دینے کیلئے ہم اپنی قوم کے بچوں کو جو مستقبل کے معمار ہیں سکول کی سطح سے تعلیم دیں اور ساتھ ہی عوام میں شعور اجاگر کریں اور بلوچستان کے ہر بڑے شہر میں عجائب گھر قائم کئے جائیں تاکہ ثقافت کے سوداگروں سے ہم اپنے ماضی کے مطابق باقیات کا تحفظ کرسکیں۔

کوئٹہ ثقافت سماج کی ایک نہایت تیز رفتار ارتقاء کی کوشش کرتی ہے یہ تیزی ارتقائی انقلابات کے ذریعے ہوتی ہے زبردست لوگ بالادست لوگوں کو تباہ و برباد کرتے ہیں ان کی بستیوں کو ملنا میٹ کرتے ہیں اور ان کی راکھ پر نئی بستیاں بساتے ہیں ایک علاقے کے چند گاؤں ہر دوسرے علاقے کے چند گاؤں غالب آجاتے ہیں تو مفتوحہ ثقافت نئے سماج میں اپنا حصہ ضرور ڈالتی ہے۔ بار بار کی علاقائی جنگیں اور شہروں کی تباہی اور آتش زنی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ لوگ غیر فوجی نسلوں یا اطاعت پسند گروہوں پر مشتمل نہ تھے اور نہ ہی غیر متحرک ساکن وجامد ثقافت تھی یہ لوگ بھی عام نسل انسانی کی طرح ہر قسم کی خصوصیات رکھتے تھے اور ان کے عمل اور ردعمل بھی اسی طرح پیداواری عمل کیساتھ مربوط تھے جس طرح دنیا کے دیگر علاقوں کے لوگوں تھے

تہذیبوں میں تصادم نہیں ہوتا تہذیبیں تو اتحاد اور انضمام سے نشوونما پاتی ہیں ثقافتوں کے اتحاد و انضمام کے نتیجہ میں تہذیبیں جنم لیتی ہیں قدیم وادی کوئٹہ کی تہذیب زوال پذیر نہیں ہوئی بلکہ وہ اپنے ارتقائی عمل سے گزرتی آئی ہے آج وہی کوئٹہ 21 ویں صدی عیسوی میں داخل ہوا ہے جس نے کوئٹہ ثقافت سے کوئٹہ تہذیب کا ایک طویل سفر طے کیا۔

باب-11

بلوچستان میں عجائب گھر کی ابتداء

بلوچستان میں تہذیبی آثار کا ایک سرسری جائزہ یہ تصویر پیش کرتا ہے کہ بلوچستان میں دستیاب تہذیبی اور تاریخی مواد کو اگر جمع اور دریافت کر کے ان کی نمائش کی جائے یا ان نوادرات کو عجائب گھروں میں سجا دیا جائے تو اس کے قدیم تہذیبی آثار کی دریافتیں دنیا بھر میں سرفہرست اور منفرد نظر آئیں گی کیونکہ بلوچستان اپنے وسیع خطہ ارض کی مناسبت سے درحقیقت اتنا مواد رکھتا ہے جس کے ذریعے اس مواد کو تمام ملک کے مختلف عجائب گھروں کے ذریعے پھیلایا جا سکتا ہے اسی لحاظ سے بلوچستان کی تاریخ بہت پرانی اور وسیع ہے اس کی ثقافت رنگ برنگی ہے اس کا آرٹ و دستکاری اور آرائش کے نمونے مسروری ہیں ان کا تکنیکی مواد عظیم ہے غرض یہاں پر ہر وہ رنگ موجود ہے جو ایک عجائب گھر کی ضرورت پوری کرتا ہے اور جس میں وہ تمام مذکورہ اشیاء سجائی جا سکتی ہیں تا کہ لوگ ان سے فائدہ اٹھا سکیں اور ان کی علمی تشنگی ختم ہو سکے ان تمام تاریخی جگہوں اور تہذیبی آثاروں کا خیال اور ان کو تحفظ فراہم کیا جا سکے تا کہ ان کو دیکھنے اور مطالعہ کیلئے یہ تعلیمی، تحقیقی اور تعمیری مقاصد کا ذریعہ بن سکیں۔

بین الاقوامی میوزیم کونسل (ICOM) آسان ترین الفاظ میں ایک میوزیم کی تعریف یوں کرتی ہے کہ میوزیم ایک ایسی عمارت ہے جس میں تمام قسم کی اشیاء رکھی جا سکتی ہوں اور ساتھ ہی مطالعہ اور تفریح کا سامان بھی میسر ہو سکے مذکورہ اشیاء کا تعلق ایک ملک سے ہو سکتا ہے یہ اشیاء کسی ملک کے کچھ قومی ورثہ اور بہت سے زمانوں سے متعلق بھی ہو سکتی ہیں بلکہ یہ قدرتی یا مصنوعی اشیاء پر بھی مشتمل ہو سکتی ہیں لہذا آج کے دور میں ایک جدید میوزیم کا مواد کسی عمارت کی چھت تلے رکھا جا سکتا ہے لیکن قدیم زمانے میں اس کا تعلق پرانے اوقات اور علاقوں سے تھا لیکن کسی عمارت کی چھت تلے پڑے ہوئے مواد کی نمائش کچھ یوں کی جاتی تھی کہ تمام نمائش بینوں اور دیکھنے والوں کیلئے ان کے اردگرد کا ماحول ان کی فہم کے مطابق کام آ سکتا ہو کیونکہ تمام قسم کی

اشیائے نمائش کو تفریح کا بہترین ذریعہ سمجھتا جاتا تھا۔

میوزیم کی تعریف اور مستقبل کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اگر میوزیم کے بارے میں مختصر مگر جامع الفاظ میں لکھیں تو اس کی اہمیت وضرورت ہم پر واضح ہو جاتی ہے کہ میوزیم کی حیثیت ماضی میں کیا تھی اور اس کو مستقبل میں کیا ہونا چاہئے میوزیم کے بارے میں آج بھی لوگوں کی معلومات اکثر پرانی اور نامکمل ہیں میوزیم سے مراد آج بھی عجیب وغریب اشیاء کا گھر لیا جاتا ہے یہ عام لوگوں کیلئے آج بھی عجیب وغریب پرانی اور بے معنی اشیاء کے گودام کے علاوہ کچھ بھی نہیں ان میں رکھے گئے مواد لوگوں کا نمائندہ کہلانے سے بہت دور ہیں کیونکہ یہ میوزیم آج بھی پرانے طور طریقوں پر چلائے جا رہے ہیں اور ریاست و میوزیم کی اہمیت اور ضروریات کو اجاگر کرنے سے اب تک قاصر ہیں لہذا ماہرین آثار قدیمہ و میوزیمیالوجسٹ کے علاوہ تعلیمی ادارے دانشور اور باشعور طبقہ عوام میں عجائب گھر کی عظمت اہمیت وضرورت کا شعور پیدا کریں تاکہ عوام خود باشعور ہو کر اپنے قومی ورثہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ عالمی پیمانے پر اسے متعارف کرنے میں مدد دیں یہاں ریاست کی بھی اہم ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ تعلیمی اداروں میں علم آثار قدیمہ کی درس وتدریس کا بندوبست کریں ضلعی سطح پر عجائب گھر قائم کریں فنی ماہرین کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا اعلیٰ انتظام کریں جن سے بین الاقوامی طور پر سیاحت کو فروغ حاصل ہو سکے (محکمہ) تہذیبی آثاروں کی کھدائی کو یقینی بنا کر ان کے نتائج کی روشنی میں یہاں کی درست تاریخ مرتب کر کے اسے عالمی تاریخ میں اعلیٰ مقام دلوا سکیں۔

عجائب گھر کے لفظی معنی نوادرات کی نمائش کی جگہ ہے مگر کیا عجائب گھر صرف نمائش بینوں کو تفریح فراہم کرنے کی ایک عمارت ہے جہاں پرانی اور عجیب وغریب اشیاء رکھی ہوتی ہیں جن کا کوئی مثبت رول یا خاص مقصد نہیں ہوتا معاشرے کی ترقی اور جدید تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے پتھر کے دور کے آلات پیداوار، ظروف سازی کے نمونے پتھر اور مٹی کے مجسمے اور کھنڈرات مددگار ثابت نہیں ہو سکتے یہ سب بے کار اور غیر ضروری ہیں مگر ایسا نہیں ہے ماہرین آثار قدیمہ زمین کا سینہ چاک کر کے قدیم انسانی باقیات اور تہذیبی آثار دریافت کرتے ہیں وہ اپنے بیلچہ کی مدد سے

تاریک سرنگوں شکاری انسان کے دھڑ مدفن قبروں اور زمین تلے تباہ شدہ بستیوں کا کھوج لگاتے ہیں اس کے بعد دریافت شدہ مواد کو مختلف مرحلوں سے گزارنے کے بعد عجائب گھر میں نمائش کے لئے سجایا جاتا ہے۔

عجائب گھر کسی بھی معاشرے کے ماضی کے آئینہ دار ہوتے ہیں اور معاشرہ اپنا ماضی اس میں دیکھتا ہے تہذیب نسلی روح کی سیڑھیاں ہوتی ہے وہ ان انمول نوادرات کو فخر سے دیکھتی ہے اسے اپنے آباؤاجداد کی عظیم تخلیقات اور قومی ورثہ کی عظمت کا احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے ماضی میں ایک ترقی یافتہ تہذیب کو جنم دیا اور وہ اس کے وارث ہیں وہ انمول نوادرات کو دیکھ کر اپنا حال سنوارتے ہیں اور ایک خوشحال مستقبل کے لئے منصوبے بناتے ہوئے ترقی یافتہ اقوام کی صف میں پروقار انداز میں شامل ہوجاتے ہیں۔

سرمکھ موہن عجائب گھر کوئٹہ جسے 1900ء میں قائم کیا گیا تھا اور اس کا باضابطہ افتتاح 1906ء میں ہوا برصغیر پاک وہند اور بلوچستان کے خاصے خوبصورت عجائب گھروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ بلوچستان میں قدیم تہذیبی آثار کی کھدائی کا کام 1903ء میں باقاعدہ طور پر شروع ہوا لیکن بلوچستان میں اس کے ابتدائی شواہد شمالی ژوب اور دکی کے مقام سے 1888ء میں ملتے ہیں جہاں ماہرین آثار قدیمہ نے پیرانو غنڈی اور دابر کوٹ کے قدیم آثار دریافت کئے کوئٹہ عجائب گھر میں بلوچستان کے ثقافتی اور تہذیبی نوادرات نمائش کیلئے رکھے گئے تھے۔کوئٹہ عجائب گھر میں قدیم مقامی آرٹ آثار قدیمہ، مقامی ہنرمندوں کی دستکاری کے نمونے اوزار، ہتھیار اور نیچرل ہسٹری کے حوالے سے قدیم اشیاء اور نمونے رکھے ہوتے تھے کوئٹہ میوزیم میں دکی میں طور غنڈی سے ملنے والے ظروف ، خضدار کے قصبے نال سے ملنے والی اینٹیں ، ٹائلیں اور دستاویزات بھی شامل تھیں۔

بلوچستان کا دوسرا بڑا میوزیم نیچرل ہسٹری میوزیم جو بیسوی صدی کے ابتدائی ایام میں قائم کیا تھا یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ عجائب گھر کہاں قائم کیا گیا تھا کئی سال پہلے اس کے بارے میں مطالعہ کے دوران میں نے کہیں پڑھا کہ یہ میوزیم مستونگ میں قائم تھا مستونگ کو صدیوں سے علم

وادب اور ثقافتی مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔اس میوزیم کے سربراہ مسٹر ہگنٹس سوسر اور سرارال بیسٹن تھے اس میں باٹنی زوالوجی سے متعلق مواد کافی تعداد میں رکھا گیا تھا جن کو بعد میں سرگھ موہن عجائب گھر کوئٹہ کو تحفہ میں دے دیا گیا اس طرح بلوچستان نیچرل ہسٹری میوزیم مستونگ کو کوئٹہ عجائب گھر میں ضم کر دیا گیا جسے ایک صدی گزر جانے کے بعد دوبارہ قائم نہیں کیا گیا چند سال بیشتر نیشنل پارک ہزار گنجی کوئٹہ میں زالوجی میوزیم قائم کیا گیا ہے جو کہ عوام میں زیادہ مقبول نہیں تھا مگر اب موسم گرما 2004ء سے عوامی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

بلوچستان میں چند دوسرے اداروں نے اپنے عجائب گھر قائم کئے ہوئے ہیں ان میں جیولوجیکل سروے آف پاکستان کوئٹہ کا عجائب گھر جو کہ ایک محکماتی عجائب گھر ہے اس عجائب گھر میں ارضیات، معدنیات اور فاسلز (رکاز) رکھے ہوئے ہیں۔ جیالوجیکل سروے آف پاکستان حکومتی ادارہ ہے۔جس کی بنیادیں ہمیں مضبوط کرنے کی اشد ضرورت ہے۔جس نے ملک کیلئے کھربوں روپے کے معدنی وسائل دریافت کئے ہیں ایسے تمام ماہرین کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔اس سلسلے میں مزید ٹھوس اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔اس لئے یہاں میں یہ ذکر کرتا چلوں کہ اس وقت متعلقہ اداروں کی وسعت اور مضبوطی دوسرے اقدامات سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ادارے کے ماہرین کی کاوشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا اور مزید ماہرین پیدا کرنے کیساتھ ساتھ ان کی اعلیٰ تعلیم وتربیت کے انتظامات کرنا حکومت کی اہم ذمہ داری ہے۔

جی ایس پی کے ہیڈ کوارٹرز کو بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ میں قائم کرنا درست اقدام تھا۔مگر چند برسوں سے یہ بات گردش کر رہی ہے کہ اس واحد ادارے کو بھی بلوچستان سے کئی اور منتقل کیا جارہا ہے۔ جو ناانصافی کیساتھ ساتھ صوبائی تعصب کو مزید ہوا دینے کے مترادف ہونے کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ پاکستان میں سب سے زیادہ معدنیات اور رکاز کی باقیات بلوچستان میں پائی جاتی ہیں۔گو کہ ادارے میں بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں مگر ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے ادارے کی بہتری اور مدفن خزانے تک رسائی صوبوں میں برابری کی بنیاد پر اس ادارے کا یہاں قائم رہنا سب سے بہتر اور درست اقدام ہے۔

جیالوجیکل سروے آف پاکستان کا ہیڈ کوارٹرز کوئٹہ میں ہے۔ جس میں میوزیم قائم کیا گیا ہے۔ جو ہر لحاظ سے ایک جدید عوامی اور علمی میوزیم ہے۔ جسے جی ایس پی میوزیم آف ارتھ سائنسز کا نام دیا گیا ہے۔ جس کے کیورٹر آصف نذیر رانا جو محنتی، ملن سار اور قابل آفیسر ہیں۔ جو عوام، طلبہ اور تحقیق کے غرض سے آنے والوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کر کے رہنمائی کرتے ہیں میوزیم میں 7 گیلریاں قائم کی گئی ہیں جن میں معدنیات، آرائش و زیورات میں استعمال ہونے والے قیمتی اور کمیاب پتھر، عمارات و تعمیراتی مادوں میں استعمال ہونے والی قدرتی معدنیات کے نمونے رکھے گئے ہیں اسٹرو جیالوجی گیلری میں بلوچستان سے دریافت ہونے والے شہاب ثاقب اور فولادی شہاب ثاقب کے ٹکڑے دیکھے جا سکتے ہیں جن کا زمانہ تقریباً 4.5 ارب سال قدیم تک کا ہے راکس اینڈ منرلز گیلری میں زمین کے آغاز، زندگی کی ابتداء مختلف ادوار میں تبدیلیوں اور چٹانوں کے استعمال کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں جو ایس پی میوزیم ارضی علوم اور بنیادی تحقیق کا سب سے بڑا اور اہم ترین مرکز بن چکا ہے ڈاکٹر فاطمی گیلری میں 54 کروڑ سال قدیم زمانے سے اب تک کے مختلف زمینی ادوار کے حیاتیاتی و نباتاتی رکازات رکھے گئے ہیں جو تیل و گیس کی تلاش میں بھی مدد دے سکتے ہیں علاوہ ازیں یہ مختلف چٹانوں کی عمر کے تعین میں بھی مدد دیتے ہیں اسی گیلری میں بلوچستان سے دریافت ہونے والے قدیم ڈائنوسار کا ڈھانچہ، ڈیرہ بگٹی سے دریافت ہونے والا دنیا کے سب سے بڑا ممالیہ، بلوچی تھریم کے چار فٹ لمبے جبڑا، دس فٹ سے زائد لمبے ہاتھی کے دانت، چلنے والی وہیل مچھلی کے رکازات بھی اس گیلری میں رکھے گئے ہیں میوزیم کا بنیادی مقصد طلباء، محقیق، سرمایہ کاران کو اپنے صوبے اور ملک کی معدنی دولت سے آگاہ کرنا اور ان سے استفادہ کرنا ہے۔

بلوچستان کا سرکھ موہن عجائب گھر 1935ء کے زلزلے میں تباہ ہو گیا اس میں رکھے انمول نوادرات ثقافتی مواد اور اشیاء کو لندن روانہ کر کے ان تمام اشیاء کو برٹش میوزیم منتقل کر دیا گیا بلوچستان کا وہ میوزیم آثار قدیمہ اور نیچرل ہسٹری کے حوالے سے جس کا شمار دنیا کے امیر ترین عجائب گھروں میں ہوتا تھا وہ ہمیشہ کیلئے برطانیہ منتقل ہو گیا اب اس عجائب گھر کی کم گو داستان رہ گئی

ہے اس کی دوسری مثال پاکستان محکمہ آثار قدیمہ کی عدم دلچسپی کی وجہ سے بلوچستان میں صرف ایک عجائب گھر سبی شہر میں قائم کیا گیا مگر چند سال قبل اسے بھی ہائی کورٹ کے حوالے کر دیا گیا اور عجائب گھر میں رکھے تمام نوادرات پاکستان کے مختلف میوزیمز کے درمیان بلوچستان کے اکلوتے کوئٹہ میوزیم کے سوائے بندر بانٹ کی گئی۔ بلوچستان میں ریاست نے قومی ورثہ کی حفاظت اور عوام میں تہذیبی آثار اور تاریخی یادگاروں کے شعور کو اجاگر کرنے کیلئے عجائب گھر کو مستقل عمارت فراہم کرنے پر کوئی توجہ نہیں دی جس کے نتیجے میں آج بلوچستان میں کوئی مستقل عجائب گھر نہیں ہے۔ چند بلوچ روشن خیال بیوروکریٹس کی کاوشوں کا نتیجہ یہ ہے کہ تربت میں ایک عجائب گھر قائم کیا گیا ہے مگر وہ گزشتہ کافی سالوں سے بلکہ روز اول سے ہی التواء میں ہے جس کا اب تک افتتاح نہیں ہوا ہمیں امید ہے کہ مستقبل قریب میں بلوچستان اور خاص کر کوئٹہ میں ایک جدید عجائب گھر کا قیام عمل میں آئے گا۔

بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ نے پندرہ اکتوبر 1998ء کو اس دور کی صوبائی حکومت دانشوروں، تعلیم یافتہ، نوجوانوں اور صوبے کے باشعور علم دوست عوام کی دیرینہ گزارش، جدوجہد اور خواہشات پر بلوچستان اسٹیڈیز سینٹر کے نام سے شعبہ قائم کیا اور اس شعبے سے منسلک میوزیم اور لائبریری قائم ہوئی۔ بلوچستان اسٹیڈیز سینٹر میں ماہرین لسانیات، زبان اور کلچر پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں ان کی کوششیں اور دلچسپی قابل تحسین ہے شعبہ کے تحقیقی اور تدریسی کام میں علم آثار قدیمہ اور علم میوزیم کو بھی شامل کرنا چاہئے جو اس سینٹر کا اہم مقصد ہے بلوچستان اسٹیڈیز سینٹر کے ڈائریکٹر اکرم دوست بلوچ کی ذاتی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ میوزیم کے ساتھ ساتھ پورا سینٹر بلوچستان کا ثقافتی منظر پیش کرتا ہے مستونگ میں چند باشعور نوجوانوں نے علم دوستی اور ثقافتی بیداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک لائبریری اور میوزیم قائم کیا جو اپنی مدد آپ کے اصولوں پر کام کر رہا ہے اسی طرح نوشکی میں ملک گوہر لائبریری کے علاوہ چار اور لائبریریاں قائم کی گئی ہیں اسی طرح ہاشمی لائبریری کراچی کے علاوہ تربت میں بھی لائبریری اور کلچر سینٹر قائم کیا گیا ہے جو ان کے ذہنی و سماجی شعور کا اعلیٰ معیار ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب نوجوانوں اور اکیسویں صدی کے دانشوروں میں علم دوستی اور ثقافتی شعور بیدار ہو رہا ہے جو امید کی ایک واضح کرن ہے۔

باب-12

بلوچستان کا جغرافیہ

جغرافیہ تمام طبعی یا غیر طبعی اشیاء کی تقسیم پر بحث کرتا ہے جو اپنے باہمی اختلافات کے ساتھ زمین کی سطح پر موجود ہیں جغرافیہ ایک سائنسی ہے جو تمام عمرانی علوم کا قدرتی علم کے ساتھ تعلق پیدا کرتا ہے جغرافیہ دان کا تعلق روئے زمین پر اختیار کیے جانے والے تمام انسانی پیشوں سے بھی ہے اور ان کی علاقائی ہم آہنگی اور اخلاقیات سے بھی۔ خطے انسان کی تخلیق کا نتیجہ ہیں جس کے ذریعے کسی علاقے کا اچھی طرح تجزیہ کیا جا سکتا ہے اور اس کی نقشہ کشی بہتر طور پر ہو سکتی ہے یا اس کے بارے میں بہتر اور پائیدار منصوبے بنائے جاتے ہیں جو اس علاقے کے جغرافیائی ماحول اور حالات کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اس لحاظ سے علم جغرافیہ میں مختلف شعبہ جات کی تقسیم کی گئی ہے۔ تاکہ مطالعہ اور تحقیق میں آسانی اور مدد مل سکے اس طرح سے خطے کی بھی تقسیم کاری کی گئی ہے۔ جس کی درجہ ذیل قسم ہیں۔

اول، طبعی خطے

دوم، انسانی کارکردگی کے خطے۔

طبعی خطے کے وجود میں آنے میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا جیسے کہ سطحی اشکال کے خطے، آب وہوا کے خطے، مٹی کے خطے، قدرتی نباتات کے خطے، ماحولیاتی خطے اور قدرتی خطے وغیرہ۔ انسانی کارکردگی کے خطے میں انسان مرکزی حیثیت رکھتا ہے جیسے کہ نسلی، مذہبی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی خطے وغیرہ۔

جغرافیہ کا سارا علم اسی مرکزی نقطے کے گرد گھومتا ہے۔ طبعی خطے کو ہم مزید چار ذیلی اقسام میں تقسیم کرتے ہیں جن میں سطحی اشکال کے خطے، آب وہوا کے خطے اور قدرتی نباتات کے خطوں کے علاوہ حیوانی اور انسانی سرگرمیوں کے حوالے سے انسانی کارکردگی کے خطے بھی شامل ہیں۔ علم جغرافیہ میں مظاہر قدرت اور انسانی سرگرمیوں کا تفصیلی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

جغرافیہ کے طلبہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان خطوں کا اپنے قدرتی ماحول اور ان پر انسانی کارکردگی کے مطابق تحقیق و مطالعہ کریں۔ یہاں ہمارا موضوع مطالعہ بلوچستان ہوگا' جس کے مختلف جغرافیائی پہلو تحقیق کی روشنی میں کتاب کے اس باب میں شامل کئے گئے ہیں۔ اور مختلف کتابوں اور رپورٹس کے مطالعہ کے علاوہ میں نے بلوچستان کے مختلف علاقوں میں جا کر سروے اور تحقیق کی ہے، لہذا کتاب کے اس حصہ نے میری تحقیق کی صورت میں قارئین کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے جنم لیا ہے۔

پہاڑ:۔ پہاڑ کی آسان الفاظ میں تعریف ہم یوں کر سکتے ہیں کہ خطہ زمین پر ایک نمایاں اور پیچیدہ شکل جو اپنی اردگرد کی سطح سے بالکل نمایاں بلندی رکھتی ہو یا اس کی بلندی کم از کم 700 میٹر ہو۔ اس کے نصف حصہ سے زیادہ سطح عمودی طور پر بلند ہو اسکی ڈھلوانیں ترچھی ہوں تو یہ پہاڑ کہلاتے ہیں تمام کرہ ارض پر مختلف پہاڑی سلسلے پائے جاتے ہیں جو مختلف انداز کے مختلف زمانوں میں وجود میں آتے رہے ہیں۔

سطح مرتفع:۔ طلبہ اور قارئین کیلئے سطح مرتفع کی آسان الفاظ میں ہم یوں تعریف کر سکتے ہیں کہ ایک تقریباً ہموار سطح جو بلندی پر ہو اور اس کی کم از کم ایک جانب ترچھی' ڈھلوان ہو یا دو یا تین جانب سے نیچے اور اوپر کی طرف سے بلند ہو جائے یہ پہاڑوں یا میدانوں کی ایک درمیانی شکل ہے اس کی کم از کم بلندی 3 سو میٹر ہوتی ہے اس کی عام سطح کافی کٹی پھٹی ہوتی ہے جہاں آب و ہوا ناخوشگوار اور بارش بے حد کم ہوتی ہے سطح مرتفع اکثر معدنیات سے بھری ہوتی ہے سطح مرتفع بعض اوقات زمین کی اندرونی حرکات کے باعث وجود میں آتی ہے یعنی یہ میدانوں کے اوپر اٹھنے یا زمین میں دھنس جانے سے جیسے کالورواڑو کی سطح مرتفع' بعض دفعہ آتش فشانی سے چٹان ٹوٹ پھوٹ کر بالکل ہموار شکل اختیار کر لیتی ہے اور ایک چبوترہ سا بن جاتا ہے بعض علاقوں میں آتش فشاں لاوا ایک چبوترے کی شکل میں منجمد ہو جاتا ہے جو سطح مرتفع کہلاتا ہے۔

بلوچستان نے ایک منفرد مخصوص قدرتی ماحول میں ایک خطہ تشکیل دیا ہے جو سطح زمین پر ایک اہم مقام کی حیثیت رکھتا ہے بلوچستان کے جغرافیہ میں طبعی اور انسانی کارکردگی کے حوالے

PAKISTAN
WILD LIFE
LEGEND
SCALE
1:6,500,000
DISPUTED TERRITORY

سے آپ اگر مطالعہ کریں تو آپ کو بلوچستان کا علاقہ ارد گرد کے خطوں سے زیادہ اہم نظر آئے گا۔
بلوچستان کی جغرافیائی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا بلوچستان آج 21 ویں صدی میں پاکستان
کے جنوب مغرب میں واقع کوہستانی علاقہ ہے زمانے کے انقلابات کے ہاتھوں یہ کبھی کردستان،
طوران، ریاست قلات برٹش بلوچستان اور کبھی بلوچستان کی حیثیت سے اپنے وجود کا احساس دلاتا
رہا یہ درحقیقت جنوب مغربی ایشیاء کی عظیم الشان سطح مرتفع کا ایک جزو ہے۔ جسے ''ایرانی پلیٹو'' کہتے
ہیں دوسرے الفاظ میں پامیر سے لے کر بحیرہ عرب کے ساحل تک اور کوہ سلیمان و کیرتھر سے لے
کر آرمینیا تک کی ساری سرزمین ایک مستقل وحدت ہے اس کے جنوب مغرب میں دجلہ اور
فرات اور مشرق میں سندھ کا میدانی علاقہ ہے۔ یہ دونوں وادیاں انسانی تاریخ، تہذیب اور تمدن
کا گہوارہ رہ چکی ہیں بلوچستان تاریخ اور تہذیب کے گہواروں کے درمیان کچھ اس طرح واقع ہے
کہ خود بھی ایک تہذیبی گہوارہ بن گیا ہے صرف یہی نہیں بلکہ بلوچستان ایک گہوارہ کو دوسرے سے ملا
بھی دیتا ہے اس ملاپ کے لئے درہ بولان، درہ مولہ اور مکران کے ساحلی دروازوں اور شاہراہوں کا
کام دیتے رہے ہیں ان راہوں سے قدیم مقدونی، عرب، منگول، مغل، افغان، پرتگیزی اور انگریز
گزرے ہیں۔ بلوچستان تاریخ اور تہذیب کا ایک اہم سنگم ہے یہ مستقبل میں بھی ایسا ہی رہے گا۔

بلوچستان کا موجودہ رقبہ 134639 مربع میل ہے بلوچستان کے شمال میں کوہ سلیمان
اور مشرق میں کوہ کیرتھر واقع ہے اس کے جنوب میں بحیرہ عرب واقع ہے بلوچستان کے جنوب
مشرق میں صوبہ سندھ اور مغرب میں ایران واقع ہے اور افغانستان اس کے شمال میں واقع ہے
بلوچستان کی زیادہ تر حصہ سطح مرتفع قلات (بلوچستان) پر مشتمل ہے جس کی اوسط بلندی 300 میٹر
ہے بلوچستان میں توبہ کاکڑی اور چاغی شمال مشرق سے جنوب مغرب کے رخ پر پہاڑیاں ہیں
بلوچستان کے وسط میں بروہی سلسلہ کوہ ہے جو سطح مرتفع قلات کا حصہ ہے۔

بلوچستان کی تمام بلند چوٹیاں اسی بروہی سلسلہ کوہ میں پائی جاتی ہیں مثلاً خلفت کوہ کی
بلندی 11440 فٹ ہے کوہ زرغون 11736 فٹ بلند اور کوہ تکتو کی ہر چوٹی 11 ہزار فٹ سے
زیادہ بلند ہے۔ کوہ تکتو سطح سمندر سے 11500 فٹ بلندی پر واقع ہے اور اس کا کوئی بھی سلسلہ

کوہ 6 ہزار فٹ سے کم بلند نہیں ہے بولان کا مشہور درہ اور درہ مولہ بروہی سلسلہ کوہ کے پیچ وخم میں واقع ہے جو سطح مرتفع قلات کا حصہ ہے اور اس کی ہر چوٹی اور پہاڑیاں جو قلات میں واقع ہیں ایک گرہ یا دائرہ بناتی ہیں ان کے شمال میں ساراوان کا علاقہ ہے اور بلوچستان کے سب سے اہم پہاڑی سلسلے وسطی بروہی کے پہاڑ ہیں ان کا عام رخ شمال مشرق سے جنوب مغرب کی سمت میں ہے۔ جنوب مشرقی سمت میں واقع پب کی آخری شاخ کو ہربوئی کہا جاتا ہے اس کے شمال مشرق میں وادی ژوب، لورالائی کی وادی واقع ہے وادی کوئٹہ چاروں اطراف سے پہاڑوں میں گری ہوئی ہے۔ جن میں

اول، کوہ مہردار

دوم، کوہ زرغون

سوم، کوہ تکتو

چہارم، کوہ چلتن انہی پہاڑوں پر مختلف انواع کے جنگلی جانور پائے جاتے ہیں۔ سطح مرتفع کے شمال مغرب میں توبہ کاکڑی کے سلسلہ ہائے کوہ واقع ہیں جن کا رخ سرلٹ کی جانب ہے اس کے مشرق میں راسکوہ جو شمال مغرب سے جنوب مغرب کے رخ پر واقع ہے۔ ان تمام سلسلوں کے درمیان واقع ہے بلوچستان کے سب سے اہم پہاڑی سلسلے وسطی بروہی کے پہاڑ ہیں ان کی لمبائی تقریباً 350 کلومیٹر ہے ان کے جنوب میں مکران کے پہاڑی سلسلے ہیں بروہی اور مکران کی پہاڑیاں سطح مرتفع کے درمیان واقع ہیں اور ان کے جنوب میں مکران کے ساحلی سلسلے ہیں۔ سارا علاقہ پہاڑی اور دشوار گزار ہے اس کی اکثر وادیاں زرخیز گلستانوں پر مشتمل ہیں۔

بلوچستان کے شمال مشرق میں درہ گومل سے ایک سلسلہ نمودار ہوتا ہے جو کچھ ٹیڑھا ہوتا ہوا مغرب کی سمت چلا گیا ہے درہ گومل کے پاس مشرق میں اس سلسلے کی بلندی صرف پانچ ہزار فٹ ہے لیکن مغربی سرے پر یہ بلندی 10 ہزار فٹ تک ہے اس سے آگے کچھ فاصلے پر ''کنڈ'' نام کی ایک چوٹی ہے۔ جو 11 ہزار فٹ بلند ہے۔ گومل سے لے کر کنڈ تک یہ سلسلہ بلوچستان کو افغانستان سے قدرتی طور پر علیحدہ کر دیتا ہے اس بلند خطے کو ''کاکڑ خراسان'' کہتے ہیں۔ بلوچستان کی شمالی

REFERENCES
Reading the Holy Quran in Arabic script is the religious obligation for all Muslims. As such it is fervently read in Pakistan.
All educated Pakistanis are trilingual having studies Urdu and English besides their regional language.
Balochi
Brahui
Sindhi
Punjabi
Pushto
Chitrali
Kafiri
Kohistani
Shina
Burushaski
Balti
Kashmiri
SCALE
1:6,5,000,000
Kilometres 20 10 0 20 40 60 Kilometres
AFGHANISTAN
IRAN
INDIA
JAMMU & KASHMIR
SRINAGAR
ISLAMABAD
RAWALPINDI
PESHAWAR
ATTOCK
CHAKWAL
JHELUM
GUJRAT
SIALKOT
GUJRANWALA
HAFIZABAD
SHEIKHUPURA
LAHORE
FAISALABAD
KASUR
JHANG
BHAKKAR
LEIAH
T.T.SINGH
OKARA
KHANEWAL
VIHARI
PAKPATTAN
BAHAWALNAGAR
BAHAWALPUR
LODHRAN
MULTAN
MUZAFFARGARH
D G KHAN
RAJANPUR
RAHIM YAR KHAN
LAKKI
TANK
BANNU
KOHAT
KARAK
D I KHAN
MANSEHRA
ABBOTTABAD
ZHOB
QILA ABDULLAH
QILA SAIFULLAH
MUSAKHEL BAZAR
PISHIN
ZIARAT
QUETTA
LORALAI
KOHLU
BARKHAN
MASTUNG
SIBI
DERA BUGTI
NUSHKI
KALAT
KHARAN
GANDAVA
DERA MURAD JAMAL
JACOBABAD
SHIKARPUR
SUKKUR
KHUZDAR
LARKANA
KHAIRPUR
NAUSHARO FIROZ
DADU
NAWABSHAH
SANGHAR
MIRPUR KHAS
HYDERABAD
UMARKOT
KARACHI
THATTA
BADIN
MITHI
PANJGUR
AWARAN
TURBAT
UTHAL
GWADAR
Pasni
Ormara
32 N
28 N
24 N
64 E
68 E
72 E
36 N

سرحد کے مغربی وسط میں ایک اور طویل سلسلہ کوہ چاغی ہے۔ اس کی ہر چوٹی 7 ہزار فٹ بلند ہے۔ ان میں سے ایک کوہ سلطان ہے کوہ سلطان میں ایک ستون ہے جو تین سوفٹ موٹا اور 8 سوفٹ لمبا ہے۔ جسے "نیزہ سلطان" کہتے ہیں۔ بلوچستان کے شمال مشرق میں دریائے گومل سے ڈھائی سو میل جنوب تک شانہ بشانہ کئی پہاری سلسلے ملتے ہیں۔ جنہیں مجموعی طور پر کوہ سلیمان کہا جاتا ہے۔ اس کی بلندی 6 ہزار فٹ ہوگی لیکن اس کی سب سے اونچی چوٹی "تخت سلیمان" جو 11 ہزار فٹ بلند ہے۔ بلوچستان کے عین شمال مشرق میں واقع ہے۔ آس پاس کی تمام بلندیوں پر چلغوزے اور زیتون کے گھنے جنگلات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ کوہ سلیمان کو ایک فلک بوس اور آہنی فصیل سمجھئے جسے عبور کرنا انتہائی دشوار ہے موسم سرما میں کوہ سلیمان کی بلندیوں پر برف کی موٹی تہہ جمی ہوتی ہے۔ کوہ سلیمان کا سلسلہ جہاں سے ختم ہوتا ہے وہاں سے کچھ جنوب مغربی کے طرف ہٹ کر ایک دوسرا سلسلہ شروع ہوتا ہے جسے کوہ کیرتھر کہتے ہیں۔ اس کی لمبائی تقریباً 305 کلومیٹر اور چوڑائی 90 کلومیٹر ہے اور بلندی تقریباً 2 ہزار فٹ ہے اس کی بلند ترین چوٹی "زردق" ساڑھے سات ہزار فٹ ہے ایک اور چوٹی جس کا نام "کتے کی قبر" ہے یہ بھی تقریباً 7 ہزار فٹ بلند ہے۔

قلات ہربوئی کے دامن میں واقع ہے ہربوئی پہاڑی سلسلہ جس کی بلندی 8095 فٹ ہےجسے ریاست بلوچستان کا دارالحکومت ہونے کا اعزاز بھی حاصل رہا ہے قلات ترکی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی "قلعہ" کے ہیں قلات کی جگہ کوئٹہ کو 1972ء میں بلوچستان کے دارالحکومت میں تبدیل کیا گیا۔ قلات کے پہاڑ خشک اور زرخیز واردیوں پر مشتمل ہیں موسم سرما میں قلات کے پہاڑوں پر برف گرتی ہے اور ہربوئی پر صنوبر کے وسیع جنگلات پائے جاتے ہیں اور جنگلات میں مختلف نوع کے جنگلی جانور پائے جاتے ہیں جن میں چیتا، پہاڑی بکرا، سرخ لومڑی کے علاوہ رنگینے والے جانور قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ ان پہاڑوں پر کثیر تعداد میں چشمے بھی بہتے ہیں۔ ہربوئی پہاڑی سلسلہ جس کی بلندی 8095 فٹ ہے۔ اس کے شمال اور شمال مغرب میں چاغی، مغرب میں خاران، جنوب میں خضدار اور مشرق میں کچھی کا میدانی علاقہ واقع ہے۔

بلوچستان میں تین اہم میدانی علاقے ہیں کچھی کا میدان، لسبیلہ کا میدان اور دشت کا میدان، یہ تمام علاقے نہایت خشک ہیں یہ مون سون ہوا کی زد میں نہیں آتے مندرجہ بالا تمام علاقے سرزمین بلوچستان جب آزاد اور خودمختار ملک کی حیثیت رکھتی تھی تو یہ اس کی ریاستیں تھیں جنہیں مارچ 1948ء کو پاکستان میں شامل کیا گیا اس طرح خضدار (توران) کا پایہ تخت رہ چکا ہے۔ جو ریاست قلات سے پہلے بلوچستان کا قدیم نام تھا۔

کوئٹہ موجودہ بلوچستان کا صدر مقام ہے جو شمال مغرب میں واقع ہے یہ درہ بولان کے دہانے پر واقع ہے وادی کوئٹہ سطح سمندر سے تقریباً 5500 فٹ بلندی پر واقع ہے۔ یہ علاقہ زلزلہ کی زد میں رہتا ہے۔ درہ بولان کے علاوہ دو اور درے بھی ہیں۔ جن میں ایک درہ لک پاس اور دوسرا درہ خوجک کے نام سے مشہور ہے۔ وادی کوئٹہ کے چاروں اطراف بلند و بالا پہاڑ ہیں جن کے مغرب میں کوہ چلتن و ذہین واقع کوہ ذہین کوئٹہ کو مستونگ سے جدا کرتا ہے۔ ان پہاڑوں پر سلیمان مارخور، چلتن مارخور، بھڑیا، جنگلی بلی، ہرن، چیتا اور گیدڑ کافی تعداد میں پایا جاتا ہے۔ شمال میں کوہ تکتو جو سطح سمندر سے 1150 فٹ کی بلندی پر واقع ہے، مشرق میں زرغون جو سطح سمندر سے 11750 فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور جنوب میں کوہ مہردار (امن کا پہاڑ) واقع ہے یہ بھی سطح سمندر سے 10500 فٹ بلند ہے سال کے نصف تک ان کی بلند چوٹیوں پر برف کی سفید چادر بچھی رہتی ہے۔

ان تمام پہاڑوں پر گون، شہتوت، انار، صنوبر اور انجیر کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں زمانہ قدیم میں یہ ہربوئی اور زیارت کے صنوبر کے جنگلات کا تسلسل تھا جو موسمی ماحول کی تبدیلی کی وجہ سے یہ جنگلات ناپید ہو گئے درہ بولان میں گاؤں کرتہ تک صنوبر کے جنگلات پائے جاتے تھے جن کے آثار دریافت ہوئے ہیں اور جابجا مگر بہت کم تعداد میں قلات سے جنوب کی جانب زیارت تک صنوبر کے درخت پائے جاتے ہیں جس سے یہ بات مزید ثابت ہوجاتی ہے کہ بروہی سلسلہ صنوبر کے جنگلات میں گھرا ہوا تھا مگر اب صرف زیارت اور قلات میں

صنوبر کے جنگل محدود ہو کر رہ گئے ہیں لہذا یہ امر قابل تحقیق ہے کہ ہربوئی اور زیارت کے صنوبر کے
جنگلات ایک ہی ہیں ان کے درمیان میں فاصلہ روز اول سے موجود ہے۔
بلوچستان تکون نما خطوں جنوبی ایشیاء، مرکزی ایشیاء اور مشرق وسطیٰ کے سنگم پر واقع
ہونے کی وجہ سے رابطے کا اہم ذریعہ رہا ہے۔ جس کے تحقیق شدہ سائنسی نتائج کی بناء پر معلوم شدہ
تاریخ 9 ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے جہاں انسانی تہذیب کی ابتداء ہوئی۔ انسانی
تہذیب کی ابتداء کے حوالے سے اس لئے مہر گڑھ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ اس دور
میں مکان تعمیر کئے گئے جانوروں کو سادھیا گیا۔ باقاعدہ اناج کی فصلیں کاشت کی گئیں برتن
بنائے گئے اوراس دور کے انسان نے فن وادب کی تخلیق میں حصہ لینا شروع کیا۔ جبکہ ابتدائی
انسان جسے باشعور آدمی (نی انیڈتال آدمی) کہا جاتا ہے جو ایک لاکھ دس ہزار سال قبل نمودار ہوا
اور چالیس ہزار سال قبل تک رہا جس کے آثار سب سے پہلے یورپ سے دریافت ہوئے ہیں اور
20ویں صدی عیسوی کے آخر میں بلوچستان کے علاقے ضلع موسیٰ خیل سے باشعور آدمی کے آثار
دریافت کئے۔ انہوں نے ارتقائی منزل طے کی اور وہ بعد کے انسان کے تہذیبی معیار پر پورے
نہیں اتارتے، مہر گڑھ سے انسانی تہذیب کے آثار 1974ء کو فرانسیسی آرکیالوجیکل ٹیم نے
دریافت کئے۔ مہر گڑھ کے انسانی آثار و باقیات جو ابھی تک ایک عرصہ گزرنے اور کروڑوں
روپے خرچ کرنے کے باوجود مکمل طور پر دریافت نہیں ہوئی ہیں۔ اور نہ ہی 1974ء سے اب تک
کی تفصیلی رپورٹ منظر عام پر آئی ہے۔ جس کی وجہ سے آج تک بلوچستان اور بلوچ قوم کی مستند
تاریخ مرتب نہیں ہوسکی ہے لہٰذا بلوچستان کے طول وعرض میں پائے جانے والے قدیم تہذیبی
آثار کی جدید سائنسی خطوط پر دریافت اور نتائج برآمد نہیں ہوئے اس وقت تک بلوچستان کی مستند
تاریخ مرتب نہیں ہوسکتی اس لئے ضروری ہے کہ بلوچستان کے زیادہ سے زیادہ تہذیبی آثاروں کو
دریافت کرکے نتائج منظر عام پر لائے جائیں تاکہ مورخین، جو بلوچ قوم سے تعلق رکھتے ہوں تو
قبائلی بندھن سے آزاد ہو کر بلوچ قوم اور بلوچستان کی مستند تاریخ لکھنے میں کامیاب ہوسکیں گے
کیونکہ سابقہ جتنی بھی بلوچ قوم یا بلوچستان کی تاریخیں لکھی گئی ہیں ہاں میں بلوچ مورخین نے اپنے

قبائل کی زیادہ بلوچ قوم اور بلوچستان کی کم تاریخ لکھی ہے۔ جن میں یک طرفہ جانبداری پائی جاتی ہے۔ اور ساتھ میں دیو مالائی قصے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ علم آثار قدیمہ، علم انسانیات اور سیاسی جغرافیہ کی تحقیق اور مدد سے بلوچ قوم اور بلوچستان کی تاریخ غیر جانبدار ہو کر لکھنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

بلوچستان کی قدیم تاریخی گزرگاہیں بلوچستان کی تاریخ اور تہذیبی وارتقاء میں اہم کردار ادا کرتی رہی ہیں ان قدیم گزرگاہوں جن میں سے ہزاروں سال پہلے انسانی آبادی کی منتقلی کے شواہد ملتے ہیں۔ ان قدیم گزرگاہوں نے کئی جنگجو، نیم خانہ بدوش ہجرتی اقوام، موسمی قبائلی خانہ بدوشوں اور تجارتی قافلوں کو یہاں سے گزرتے دیکھا اور ان کے آثار اپنے سینہ میں سینکڑوں اور ہزاروں سالوں سے محفوظ کرتے چلے گئے۔ جن کی باقیات بلوچستان کی ان تاریخی گزرگاہوں سے کثیر تعداد میں دریافت ہوئی ہیں اور سینکڑوں ماہرین کی جستجو، تحقیق کے انتظار میں ہیں کہ وہ کب ان تہذیبی آثاروں کو ایک نئی زندگی دیں گے۔ ان میں مشہور درے جن میں درہ مولہ، درہ گنشیر و درہ خوجک اور درہ بولان قابل ذکر ہیں۔ صوبہ بلوچستان جو موجودہ دور میں پاکستان کا حصہ ہے یہ ''سطح مرتفع قلات'' پر واقع ہے۔ بلوچستان اونچے پہاڑوں اور پہاڑی سلسلوں کی وجہ سے بہت مشہور ہے اس کے اکثر پہاڑ ٹوٹے پھوٹے ہیں۔ جو زیادہ بنجر نظر آتے ہیں۔ بلوچستان کی سطح مرتفع جو کوہ سلمان اور کوہ کیرتھر کے مغرب میں واقع ہے۔ بلوچستان کے مشہور قدیم تاریخی گزرگاہیں درہ بولان اور درہ مولہ اسی کوہ سلسلے میں واقع ہے۔ زیارت، نیچارہ، پندران، نرمک، جوہان اور کشان کی دلکش وادریوں سلسلہ کوہ بروہی کے دامن میں واقع ہیں۔ مشہور درہ مولہ جس سے سکندر اعظم کی فوج کا ایک دستہ یونان واپس جاتے ہوئے یہیں سے گزرا تھا۔ درہ مولہ کو صدیوں سے تاریخی اہمیت کی گزرگاہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ زمانہ قدیم میں انہی دروں سے دراوڑ، آرین، یونانی، منگول، فارسی، عرب، افغان اور انگریز گزرے تھے۔

بلوچستان جغرافیائی طور پر پہاڑی، صحرائی اور میدانی علاقوں میں منقسم ہے سطح مرتفع قلات بلوچستان کے مرکز میں واقع ہے جس کے مشہور اور اہم سلسلہ کیلئے کوہ وسطی بروہی ہیں جس

میں بہت سے درہ اور وادیاں پائی جاتی ہیں۔جن میں خاص کر درہ بولان اور درہ مولہ واقع ہیں ان دروں کی اہمیت دریائے بولان اور دریائے مولہ کی وجہ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے درہ مولہ جو دریائے مولہ کے دھانے سے انجیرہ کے قریب سے شروع ہوتا ہے جس کی وجہ سے خانہ بدوش کاروانوں کو سفر اور پڑاؤ میں پانی کی قلت کی وجہ سے دشواری نہیں ہوتی اور راستے میں مستقل مقامی بلوچ آبادیاں بھی آجاتی ہیں۔یہاں لوگوں کا دارومدار زراعت پر ہے۔جس کی وجہ سے طویل سفر کے دوران خوراک کا مسئلہ حل ہوجاتا ہے ان گزرگاہوں میں جگہ جگہ بہت سی قدیم تباہ شدہ بستیوں کے آثار بکثرت پائے جاتے ہیں۔جن کو ماہرین آثار قدیمہ نے دریافت کیا ہے اور ان میں بہت سے ماہرین کے منتظر ہیں۔

درہ، درے کی آسان الفاظ میں تعریف ہم یوں کرتے ہیں کہ بلند پہاڑی سلسلوں میں عمودی ڈھلانوں کے درمیان ایک نیچا گزرنے کا راستہ جو اوپر آسمان کی جانب تو کھلا ہوتا ہے مگر راستے کے ساتھ ساتھ پہاڑی ڈھلانیں عمودی ہوتی ہیں جن کی بلندیاں مختلف علاقوں میں مختلف ہوتی ہیں بلوچستان کا زیادہ تر علاقہ سطح مرتفع پر مشتمل ہے۔جس میں ہزاروں کی تعداد میں درئے اور گزرگاہیں پائی جاتی ہیں۔جن میں چند ایک انتہائی مشہور اور عالمی سطح پر بھی متعارف ہوچکی ہیں۔قدیم دورے ان دروں میں سے انسانی قافلے گزرے ہیں۔جن کے آثار و باقیات ان دروں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں جو دریافت بھی ہوئے ہیں۔جن میں درہ بولان، درہ مولہ، درہ خوجک، درہ گومل اور درہ گنشیر وقابل ذکر ہے۔ اس کے علاوہ مری، بگٹی، پہاڑی سلسلوں میں بہت سے درے پائے جاتے ہیں جو بلوچستان کو پنجاب سے ملاتے ہیں۔ان دروں میں چشمے، ندی، قدرتی تالاب اور دریا پائے جاتے ہیں۔جن کی وجہ سے ان دروں کی اہمیت انسانی منتقلی کے دوران زیادہ اہمیت رکھتی ہے ضلع مستونگ، ضلع قلات اور ضلع بولان کے سنگم پر کوہ ناگاہ واقع ہے کوہ ناگاو کے درے مستونگ کو بولان سے ملاتے ہیں جس کے مشرق میں قدیم شہر سنی اور جنوب میں شوران واقع ہے ان دونوں شہروں کو دریائے بولان سراب کرتا ہے

جنوب مشرقی افغانستان کو درہ خوجک بلوچستان سے ملاتا ہے۔توبہ کاکڑی کا سلسلہ کوہ افغانستان اور بلوچستان کے درمیان سرحد کا کام دیتا ہے یہ درہ خوجک سلسلہ کوہ توبہ کاکڑی میں

واقع ہے اس درہ کے ذریعے قدیم دور کے افغانستانی قافلے جن میں مالدار (مویشی مالدار) اور جنگجو قبائل بلوچستان میں داخل ہوتے رہے ہیں دریائے لوڑا سے یہ علاقہ سراب ہوتا ہے مگر زیادہ تر یہاں کاریز کا نظام آبپاشی رائج ہے افغانستان کے قافلے جو درہ خوجک سے گزر کر بلوچستان میں داخل ہوتے تھے وہ براستہ وادی کوئٹہ درہ بولان سے گزر کر کچھی (ناڑی) کے میدانی علاقے میں داخل ہوتے ہیں۔ کچھی کے میدانی علاقے کو دریائے ناڑی، دریائے مولہ اور دریائے انجیرہ سے سراب کیا جاتا ہے جو قدیم دور سے ہنوز جاری ہے درہ بولان کے ساتھ ساتھ دریائے بولان ہزاروں سال سے بہتا ہوا چلا آرہا ہے درہ خوجک اور درہ بولان کے درمیان قدیم وادی کوئٹہ واقع ہے وادی کوئٹہ کی تاریخ تقریباً 6 ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے جس کے آثار ماہرین نے 19 ویں صدی کے آغاز میں دریافت کئے تھے جس سماج کی یہ برتن پیداوار تھے اسے کوئٹہ ثقافت کا نام دیا گیا شروع میں کوئٹہ کلچر کا دائرہ کوئٹہ شہر کے قریبی پانچ ٹیلوں تک محدود سمجھا گیا لیکن مزید تحقیق اور دریافتوں کے نتیجے میں اس کا دائرہ ژوب سے سوراب تک پھیل گیا میں نے اپنے سروے اور تحقیق کے دوران صرف وادی کوئٹہ میں 67 ٹیلوں کی نشاندہی کی ہے درہ بولان کا قدیم نام درنگاہ تھا بولان دروازہ (کولپور) سے مہرگڑھ تک تمام درہ بولان میں کثیر تعداد میں کھائیاں واقع ہیں بلوچی اور براہوئی زبان میں کھائی کو درنگ کہتے ہیں شاہد اسی وجہ سے درنگان کہا جاتا تھا یہ علاقہ بولانی قبیلہ کرد بلوچوں کا تھا آج بھی بولان میں کرد قبیلے کی ایک شاخ بولان زئی آباد ہے یہ علاقہ بولانی قبیلے کو بٹوارے میں 854 قبل مسیح میں ملا اور بعد کے زمانے میں بولانی قبیلے کی رہائش کی وجہ سے یہ علاقہ بولان کہلانے لگا، بولانی قبیلے کے اسی دور کے ''سردار زراب شالین'' سے موسوم وادی کا نام، وادی شال پڑ گیا۔ بعد میں اسی وادی میں ایک قدیم قلعہ کو بولانی قبیلے کے سردار نے دوبارہ مرمت کر کے قابل رہائش بنا دیا اور اسی طرح ''وادی شال'' سے شالکوٹ مشہور ہوا جو بعد میں یعنی برٹش دور میں کوئٹہ کے نام سے مشہور ہوا جس نے دنیا کے علم وادب اور تاریخ میں اعلیٰ مقام بنانے میں کامیابی حاصل کی یہ سب سے زیادہ اہمیت کے حامل اس وادی میں دریافت شدہ آثار وباقیات تھے۔

چاغی کے مغرب میں کوہ سلطان بھی واقع ہے۔ جو مشرقی جانب سے ایران میں داخل ہو جاتا ہے درہ گنشیر و سے افغان قافلے داخل ہو کر درہ خیل سے گزرتے ہوئے درہ مولہ سے ہو کر سلسلہ کوہ کیرتھر عبور کر کے گنداوہ اور جھل مگسی کے میدانی علاقے میں پھیل جاتے ہیں جس کے راستے میں دریائے مولہ' دریائے گدر اور کچھی کے میدان میں جا کر دریائے بولان بھی مل جاتا ہے۔ دریائے بولان کچھی کے وسیع میدانی علاقے کو ہزاروں سال سے سیراب کرتا آرہا ہے۔ انہی دریاؤں کی بدولت درہ مولہ درہ بولان میں پروان چڑھنے والی ثقافت مختلف ارتقائی اور انقلابی مراحل طے کرتی ہوئی بولان کی تہذیب مہرگڑھ کا پیش خیمہ بنی۔ جو مزید آگے سفر کرتی ہوئی جب سندھ میں پہنچی تو ایک عظیم ترقی یافتہ تہذیب میں ڈھل گئی جسے وادی سندھ کی تہذیب سے پکارا جانے لگا۔ جو اصل میں وادی بولان کی قدیم تہذیب کا تسلسل تھا۔

دریا:۔ دریا کی تعریف ہم یوں کریں گے کہ تازہ پانی کی ایک مستقل دھار جو قدرتی طور پر کسی گلیشئر، جھیل یا چشمے سے نکل کر ایک خاص رستے پر بہتی ہے اور اس میں آس پاس کی مزید ندیاں شامل ہوتی جاتی ہیں اور اس کے پانی میں اضافہ اور چوڑائی بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی وجہ سے اس کو دریا کا نام دیا گیا ہے جو پہاڑوں' میدانوں سے گزرتا ہوا آخر کسی دریا' جھیل یا سمندر میں گر کر اپنا وجود ختم کر دیتا ہے دریا کا اپنا ایک نظام ہے جس میں یہ مختلف مراحل طے کرتا ہوا گزرتا ہے دریا اپنا پورا سفر طے کرتے ہوئے تین اہم کام کرتا ہے۔

اول اپنی گزرگاہ کو خوب توڑتا پھوڑتا ہے اسی مسلسل عمل کے سبب اس کا راستہ کھلا اور گہرا ہو جاتا ہے۔

دوم' عمل انتقال ہے اور یہ مادے کو اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے۔

سوم' دریا مواد اپنے سائز کے مطابق دریاؤں کے کناروں پر میدانوں میں جمع کرتا جاتا ہے جماؤ کا یہ عمل تہہ نشینی کہلاتا ہے اسی طرح دریاؤں کے سفر کو ماہرین نے تین منازل پہاڑی، میدانی اور ڈیلٹائی منزل میں تقسیم کیا ہے۔

بلوچستان کے جنوب میں سلسلہ کوہ پب اور سلسلہ کوہ ہالہ واقع ہے۔ یہاں دریائے حب'

دریائے ہنگول ہزاروں سال سے بہہ رہا ہے۔ ہنگول کے مشرق میں کوہ کیرتھر کے ساتھ ہی دریائے
حب ہے۔ اس کا سرچشمہ کوہ پب کی شمالی بلندیوں میں ہے۔ دریائے حب اور ہنگول کے درمیان
بحرِعرب میں گرنے والا تیسرا قابل ذکر دریا پورالی ہے۔ اور مغرب میں دریائے دشت ہے۔ ان تمام
دریاؤں سے لسبیلہ اور مکران کی وادیوں میں آبپاشی کی جاتی ہے۔ ایران سے آنے والے دریا ماشخیل
خاران کے صحرائی علاقے سے گزرتے ہوئے ایک وسیع وعریض نشیب میں ختم ہو جاتے ہیں یہ
سلسلہ کوہ کیرتھر، جھالاوان کے علاقے کو سندھ سے جدا کرتا ہے۔ اوسط بلندی 7000 فٹ ہے
سلسلہ کوہ کیرتھر کے مغرب میں کوہ پب کے متوازی سلسلے ہیں۔ جن کے درمیان وادیاں ہیں ان میں
سے ایک لسبیلہ ہے۔ کوہ کیرتھر مغرب کی طرف خم کھا کر ساحل کے ساتھ ساتھ دور تک نکل گیا ہے۔ اور
مکران کا ساحلی کوہستان کہلاتا ہے ان سے دریا حب اور لیاری نکلتے ہیں اور جنوب میں بحیرہ عرب
میں جا گرتے ہیں یہ دو حصوں میں منقسم ہے جو سلسلہ کوہ وسطی مکران اور سلسلہ کوہ ساحلی مکران ہے یہ
سلسلے مٹی، ریت اور رکاز (فاسلز) آمیز مرکب سلسلہ بلوچستان کے ساحل پر تقریباً 430 کلومیٹر
پر پھیلا ہوا ہے۔ ان سلسلوں میں کثیر تعداد میں کھائیاں اور درے ہیں۔ ان کے درمیان کہیں کہیں
سبزہ بھی ملے گا۔ مکران کا قدیم نام گدروشیہ تھا۔ جبکہ سکندر اعظم کی فوج کا ایک دستہ مکران کے زمینی
راستے سے گزرا تو یونانیوں نے اسے گدروشیہ ہی پکارا، مکران میں قدیم تہذیبی آثار بھی دریافت
ہوئے ہیں۔ جن کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں قابل ذکر آرکیالوجیکل سائیڈ ''شاہی تمپ'' ہے۔
اس کے علاوہ مکران کے سمندری راستے سے یونانی فوج نے واپس اپنے وطن کو سفر جاری رکھا۔ بعد
کے ادوار میں عرب اور پرتگیزیوں نے جب بلوچستان کا رخ کیا تو مکران ہی کو بلوچستان کا دروازہ
جان کر یہیں سے بلوچستان میں داخل ہوئے مکران کے مشہور دریاؤں میں دریائے کیچ بھی شامل
ہے بلوچستان کا سب سے بڑا دریا ژوب ہے جو دریائے گومل میں شامل ہوتا ہے۔
قلات جو سلسلہ کوہ بروہی کا مرکز ہی نہیں بلکہ بلوچوں کا ہزار سال سے مرکز بھی رہا ہے۔
جس کو ہنوز بلوچوں میں وہی مقدس مرکزیت کی حیثیت حاصل ہے۔ قلات تقریباً مکمل طور پر

پہاڑی وادیوں پر مشتمل ہے جن میں وادی قلات' سوراب' انجیرہ' گزگ اور جوہان تاریخی اہمیت
کے حامل ہیں۔ جہاں سینکڑوں کی تعداد میں تہذیبی آثار ہیں جن میں سے گزگ' قلات' سوراب
ورانجیرہ کے قدیم آثار ماہرین نے دریافت کئے ہیں۔ جن کا زمانہ تقریباً 6 ہزار سال قبل مسیح کا
ے اور تہذیب کے حساب سے ماہرین آثار قدیمہ نے جو درجہ بندی کی ہے۔ اس لحاظ سے ان کو
لوئنہ کلچر میں شامل کیا ہے۔ قلات میں کوہ ہربوئی ایک قومی ورثہ ہے۔ جو صنوبر کے جنگلات کی وجہ
ے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ قلات کی قدیم اور مشہور گزرگاہ کے ساتھ ساتھ دریائے مورو بھی بہتا
ہے جو کرتہ میں جا کر آبادی کرتا ہے اصل میں یہ دریا درہ بولان میں واقع کرتہ گاؤں کی ملکیت ہے
رتہ میں قدیم ٹیلہ بھی دریافت ہوا ہے مگر اس ٹیلے کو مکمل طور پر دریافت اور کھدائی نہیں کیا گیا لہٰذا
ں کے تہذیبی معیار اور زمانہ بھی ہمارے لئے پوشیدہ راز ہے۔

باب-13

قدیم بولان کی تہذیب

انسان کا ماضی دنیا کی تاریخی عمر کے لحاظ سے زیادہ پرانا نہیں لیکن یہ ماضی قوموں میں انتہائی اہمیت کا باعث بن گیا ہے۔اور قوموں کے مہذب اور متمدن ہونے کا پیمانہ اور بنیاد کا آغاز بھی یہیں سے ہوتا ہے کہ کس قوم کا ماضی کتنا پرانا ہے جن قوموں کا ماضی دست بردز مانے سے محفوظ نہیں رہا ایسی قوموں کو تاریخ سے محروم لوگ کہہ کر انہیں تمدن کے دائرہ سے خارج کر دیا جاتا ہے کیونکہ تاریخ وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعے قومیں اپنے تاریخی عمل کو محفوظ رکھتی ہیں اور جس قوم کی تاریخ نہیں ہوگی تو اس کا ماضی اور اپنے وجود کا کوئی ثبوت بھی نہیں ہوگا انسانی زندگی کا آغاز اس وقت سے تسلیم کیا گیا ہے جب اس نے اپنی مدد آپ کے تحت اوزار بنانا شروع کیے سب سے پرانے آلات جو تغیرات زمانہ سے محفوظ رہے ہیں وہ پتھروں کے بنے ہیں اور انسانی زندگی کا سب سے پہلا زمانہ پتھر کا زمانہ یا (حجری دور) کہلاتا ہے ماہرین نے پتھر کے دور کو تین زمانوں میں تقسیم کیا ہے قدیم حجری دور، وسطی حجری اور جدید حجری دور اس کے بعد کانسی کا زمانہ اور پھر لوہے کا زمانہ ہے بعد کے اوزاروں میں مادی ترقی کی رفتار تیز تر ہوتی گئی ہے بلوچستان اپنے جغرافیائی، فطری ماحول، معدنیاتی، عسکری اور معاشی اہمیت کے ساتھ ساتھ تہذیبی و ثقافتی اہمیت سے بھر پور اور مالا مال خطہ ہے بلوچستان بھر میں ہزاروں کی تعداد میں قدیم انسانی تہذیب کی باقیات پائی جاتی ہیں اسی طرح معدنیاتی دولت بھی بلوچستان کی سرزمین میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے یہ خطہ عسکری لحاظ سے بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے بلوچستان سطح مرتفع قلات کا حصہ ہے آج دنیا کی آبادی تقریباً چھ ارب انسانوں پر مشتمل ہے یہ سب انسان ایک ہی مشترکہ وسیلے سے ماخوذ اور مربوط ہیں اور ایک ہی نوع یعنی باشعور معاشرت کے ارکان ہیں بلوچستان کے قدیم باشعور انسان کی باقیات کے حوالے سے ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس کی باقیات یورپ اور بحیرہ روم کے اردگرد کے

علاقوں سے دریافت ہوئی تھیں یہ لوگ پورے یورپ پر چھا گئے تھے ان کے اجزا مختلف مما لک فرانس، جرمنی، چیکو، سلواکیہ اوراٹلی سے ملے ہیں جو 75 ہزار سال پرانے ہیں مگر بلوچستان میں ان کے بارے میں کوئی شواہد نہیں ملے تھے جسے دیگر تہذیبی آ ثار و باقیات کی مانند ہوتے کیونکہ کافی عرصے تک بلوچستان کو تہذیبی حوالے سے بنجر زمین خیال کیا جاتا رہا ہے مگر 1980ء کی دہائی میں اچانک یہ انکشاف ہوا کہ بلوچستان کے شمالی علاقے ضلع موسیٰ خیل میں واقع قدرتی غاروں میں قدیم باشعور انسان کی باقیات ملی ہیں جن پر ابتدائی تحقیق کی گئی اور یہ بات مزید واضح ہوئی کہ یہ اسی باشعور انسان کی باقیات ہیں جو اس سے پہلے یورپ میں دریافت کی گئی تھیں دو پاؤں پر کھڑے آدمی کے بعد آنے والی تمام نسلیں باشعور آدمی کی تعریف میں شمار ہوتی ہیں اس میں اولین باشعور اقسام سے لے کر زیادہ ترقی یافتہ اقسام یعنی (نی اینڈرتھال آدمی) اور (کرومیگنان آدمی) تک سب شامل ہیں زیادہ تر تسلیم شدہ نظریہ یہی ہے کہ کھڑے آدمی سے ہی باشعور آدمی نے جنم لیا گو کہ باشعور آدمی کے ظہور کے بعد بھی پرانی نوع یک لخت ختم نہیں ہوئی بلکہ طویل عرصہ تک دونوں ساتھ ساتھ ہیں اور پرانی نوع کے مکمل طور پر ضم ہونے یا دوسرے الفاظ میں ختم ہونے میں کافی وقت لگا۔

تھال قدیم جرمنی زبان میں وادی کو کہتے ہیں اس لفظ کا موجودہ تلفظ تال ہے نی اینڈ ایک وادی کا نام ہے جو جرمنی میں ''ڈل دارف'' کے قریب واقع ہے یہاں سب سے پہلے اس انسان کے چودہ مجردات دریافت ہوئے بعد میں دوسرے مما لک سے بھی اس کے اجزاء ملے اور خاص اس انسان کا نام (نی اینڈتھال آدمی) رکھ دیا گیا اس کا زمانہ 38 ہزار سال سے لے کر ایک لاکھ دس ہزار سال قبل مسیح تک ثابت ہوا ہے یہ غاروں میں رہنے والے شکاری لوگ تھے تاہم کھلی جگہوں پر جھگیاں بنا کر رہنے کے بھی کچھ ثبوت ملے ہیں ان کا قد چھوٹا، بدن مضبوط، مغز لمبا، نیچا اور چوڑا تھا، پیشانی کا نچلا کنارا ابھاری بھر کم تھا۔ بازو اور ٹانگیں موٹی تھیں ان کی چھاتی چوڑی تھی یہ پوری طرح سے کھڑے ہو کر چلتے تھے نی اینڈ تھال آدمی نہ صرف آگ کے استعمال سے واقف تھا بلکہ آگ پیدا بھی کر سکتا تھا اور اسے کسی ڈسپلن کے تحت قائم رکھ سکتا تھا نی اینڈرتھال آدمی کی سب

سے اعلیٰ صفت یہ تھی کہ وہ سماجی شعور رکھتا تھا یعنی انسانیت سے پیار کرتا تھا۔

کرومیگنان آدمی فرانس کے صوبہ فرنچ ڈیپارٹمنٹ کے مقام پر شاہراہ کی توسیع کے سلسلے میں کھدائی ہوئی اور ایک پہاڑی کو کاٹنا پڑا اس پہاڑی میں غاریں تھیں جن کو پرانی مقامی زبان میں کرومیگنان کہا جاتا تھا جس کے لغوی معنی بڑی غار کے ہیں ان غاروں میں اس انسان کی بہت سی باقیات ملی ہیں کرومیگنان سے ملنے والے جسمانی اعضاء کے مالک کو کرومیگنان آدمی کا نام دیا گیا اس کا زمانہ 18 ہزار سال قبل مسیح سے لے کر 38 ہزار سال قبل مسیح تک سمجھا جاتا ہے یہ لوگ مشرق وسطیٰ سے نکلے تھے یہ باشعور آدمی براہ راست نی اینڈ تھال آدمی کی اولاد تھا یا نہیں ابھی حتمی طور پر طے نہیں ہوا انہوں نے نی اینڈ تھال آدمی کو ختم کر دیا یا پھر دونوں باہم جذب ہو گئے ماہرین کا خیال ہے کہ کرومیگنان آدمی نی اینڈ تھال آدمی کا تسلسل ہے۔

بلوچستان کے علاقے ضلع موسیٰ خیل سے 80 کی دہائی میں ایسی قدرتی غاریں دریافت ہوئیں جن کی دیواروں اور خاص کر چھتوں پر پینٹنگ کی گئی تھی قدیم دور سے انسانوں کو پینٹنگ، نقش ونگار اور مجسمے بنانے کا شوق رہا ان غاروں کی چھت اور دیواروں پر بنی ہوئی تصویریں، چٹانوں پر کی گئی مینا کاری اور کندہ کاری، چٹانوں پر ابھرے ہوئے مجسمے پتھر کے بنے ہوئے عورتوں کے ننھے منھے مجسمے شامل ہیں یہ ساری نقش گری جانوروں کے شکار اور زندگی کے دیگر عملی کاموں کی عکاسی کرتی ہے یہ انسان صرف مصور ہی نہ تھا بلکہ سنگتراش اور مجسمہ ساز بھی تھا کرومیگنان کے مرحلے پر آ کر ثابت ہوتا ہے کہ جسمانی ارتقاء کا سلسلہ ایک ایسے مرحلے پر پہنچ گیا ہے جہاں سے آگے ذہنی، فکری اور سماجی ارتقاء کا سلسلہ شروع ہوتا ہے یہ مقام جسمانی ارتقاء کی انتہاء اور سماجی وفکری ارتقاء کی ابتداء ہے غاروں میں مختلف انسانی اور جانوروں کی تصویریں اور اشکال بنی ہوئی ہیں فرش پر آتش دان اور جانوروں کی ہڈیوں کے باقیات بھی دریافت ہوئی ہیں ماہرین نے ابتدائی تحقیق سے یہ واضع کیا کہ یہ تمام آثار نی اینڈ تھال آدمی اور کرومیگنان آدمی کے ہیں جن کا زمانہ 18 ہزار سال قبل سے 40 ہزار سال قبل مسیح تک کا ہے ان غاروں پر مزید سائنسی بنیادوں پر تحقیق نہیں ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ بلوچستان میں پائے جانے والے باشعور انسان کے

(بلوچستان خانہ بدوش قافلہ درہ بولان میں سفر کے دوران)

آثار و باقیات ماہرین کی تحقیق اور توجہ کی منتظر ہیں۔

سندھ کی تہذیب جو جنوبی ایشیاء کی پہلی قدیم ترقی یافتہ تہذیب ہے جو تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے حصے میں آئی اس تہذیب کے مرکزی دو بڑے شہر موہنجوداڑو اور ہڑپہ نمائندگی کرتے ہیں یہ تہذیب تقریباً 5 ہزار سال قبل دریائے سندھ کے کنارے قائم ہوئی جو اصل میں بولان کی قدیم تہذیب کا تسلسل تھا اس تہذیب کا رقبہ تقریبا چار لاکھ پچیس ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے سندھ کی تہذیب قدیم مصری تہذیب اور عراق کی قدیم تہذیب کی تقریباً ہم عصر تھی سندھ کے دو اہم مرکزی شہر تھے یہ شہر ہزاروں سال تک زمین کی تہہ میں دفن رہے ان کھنڈرات کا ذکر سب سے پہلے میسن جو ایک انگریز سیاح تھا کے 1826 کے سفر نامے میں ملتا ہے دوسری بار 1833ء میں مشہور سیاح مسٹر برنس نے اپنی کتاب ''بخارا کے سفر'' میں ذکر کیا ہے سندھ کے قدیم آثار کا واضع ذکر 1856ء میں ماہر آثار قدیمہ جنرل الیگزنڈر کننگھم نے اپنی سالانہ رپورٹ میں کیا وادی سندھ کی تہذیب جو ہڑپہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے جب لاہور سے ملتان تک حکومت برطانیہ نے ریلوے لائن بچھائی تو کچھ تہذیب وتمدن کی اہمیت سے ناواقف لوگ خاص کر اس پراجیکٹ کے ٹھیکیدار نے ہڑپہ کے قدیم ٹیلوں کو کھود کر کثیر تعداد میں اینٹیں نکالیں ان اینٹوں اور ملبے سے ساہیوال اور خانیوال تک تقریباً 150 کلومیٹر لمبی ریل کی پٹری بچھائی گئی اس کے علاوہ آس پاس بسنے والے لوگوں نے بھی ہڑپہ کی تاریخی اینٹوں سے مکانات تعمیر کر لئے جن سے قدیم آثار کو کافی نقصان پہنچا ان اینٹوں کو آج بھی ہڑپہ ٹاؤن میں تعمیر شدہ گھر میں دیکھا جا سکتا ہے جو قدیم ہڑپہ کے کھنڈرات کی اینٹوں سے آج کا ہڑپہ ٹاؤن تعمیر ہوا ہے۔

حکومت ہند نے آخر کار 1920 میں ان ٹیلوں کی جانب توجہ دی اور ان تہذیبی آثار کو اپنی تحویل میں لے کر 1921ء میں باقاعدہ کھدائیوں کا آغاز کر دیا جو دنیا کے نقشہ پر ایک قدیم ترقی یافتہ تہذیب کا اضافہ تھا جسے سب سے پہلے اس تہذیب کے دریافت ہونے والے شہر ہڑپہ کے نام سے موسوم کر دیا گیا کیونکہ یہ تہذیب دوسری قدیم تہذیبوں کی طرح دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کے کنارے موجود تھی اس لئے اس کو قدیم وادی سندھ کی تہذیب بھی کہتے

ہیں قدیم ہڑپہ کے کھنڈرات پنجاب کے شہر ساہیوال سے تقریباً 26 کلومیٹر جنوب مغرب میں واقع ہیں اور ہڑپہ ریلوے اسٹیشن سے تقریباً چھ کلومیٹر کے فاصلے پر قدیم شاہراہ شیر شاہ سوری پر واقع ہے ہڑپہ کے کھنڈرات کا کل رقبہ جدید تحقیق کے مطابق 126 ایکڑ ہے اور یہ سطح سمندر سے تقریباً 590 فٹ بلندی پر واقع ہے اس کے علاوہ قدیم موہنجوداڑو کے کھنڈرات صوبہ سندھ کے شہر لاڑکانہ سے تقریباً 26 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہیں اس لئے یہ دونوں قدیم شہر ایک ہی تہذیب اور زمانے کے ہیں۔

جنوبی ایشیاء کی قدیم ترقی یافتہ تہذیب دنیا بھر میں یہ تہذیب (وادی سندھ کی تہذیب) کے نام سے موسوم ہے۔ کیونکہ یہ تہذیب دنیا کی قدیم تہذیبوں کی طرح دریائے سندھ اور ان کے معاون دریاؤں کے کنارے پروان چڑھی اس لئے اس تہذیب کو وادی سندھ کی تہذیب بھی کہتے ہیں۔ جس کی نمائندگی پاکستان میں دو بڑے قدیم کھنڈرات ہڑپہ اور موہنجوداڑو کرتے ہیں۔ آج سے تقریباً 25 سو سال قبل مسیح یہ تہذیب دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں ہاکڑہ چولستان کی قدیم گزرگاہوں پہ پھلتی پھولتی رہی اس تہذیب کا رقبہ سوا دس لاکھ مربع کلومیٹر سے بھی زیادہ تھا یہ ساری معلومات ہمیں ہر جگہ سے ایک جیسی ملتی ہیں جس پہ تمام ماہرین اور مورخ دانشوروں نے اتفاق کیا ہوا ہے۔ کیا ہمیں بھی آنکھیں بند کر کے اس نظریہ کو مان لینا چاہیے کہ ایک صدی پہلے جو تھیوری انگریزوں نے پیش کی اس میں کوئی رد و بدل نہیں کیا جا سکتا کیا وہ تھیوری اس وقت بھی سائنسی بنیادوں پر قائم تھی کیا اس میں کوئی سیاسی عنصر شامل نہیں تھا۔

سندھ کا جغرافیائی حوالے سے اگر ہم مطالعہ کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ سندھ وادی نہیں میدان ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسے وادی کا نام کیونکر دیا گیا کیا بندر کی طرح نقالی کر کے کہ وادی دجلہ وفرات، وادی نیل کی قدیم تہذیب وغیرہ وغیرہ دوم، اگر وادی سندھ کا فارمولہ اس لے یہاں اپنایا گیا۔ کیونکہ یہ تہذیبی آثار دریائے سندھ کے کنارے دریافت ہوئے، تو بھی غلط ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے ہڑپہ کے آثار دریافت ہوئے جو صوبہ پنجاب میں دریائے راوی کے کنارے واقع ہے سندھ میں دریائے سندھ کے کنارے، ویسے بھی ماہرین آثار قدیمہ نے ایک

نظریہ پیش کیا تھا کہ جو آثار جس تہذیب کے پہلے جہاں سے دریافت ہوں تو باقی آثار بھی اسی پہلے والے کے نام سے موسوم کئے جائیں گے لہٰذا ہم اس نظریہ کو بھی فی الحال مان لیتے ہیں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صوبے سندھ کس نظریہ اور فارمولے کے تحت وادی کہلاتا ہے جبکہ سندھ وادی نہیں میدانی علاقے پر مشتمل ہے اور جہاں سے ہڑپہ، موہنجوداڑو تہذیب دریافت ہوئی ہے وہ دریائے سندھ اور دریائے راوی پنجاب کے کنارے ہیں مزید یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دریا کو کسی مقام سے سندھ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ دریا سرچشمے سے لے کر مختلف ناموں سے موسوم ہے جن جن علاقوں اور وادیوں سے یہ گزرتا ہے اس کا نام دریائے سندھ یا وادی سندھ نہیں ہے جب مختلف دریا مختلف علاقوں اور سمتوں سے بہہ کر صوبہ سندھ میں ایک دریا کی صورت اختیار کر کے داخل ہوتے ہیں تو اسے دریائے سندھ کا نام دیا جاتا ہے اس طرح وہ قدیم تہذیبی آثار جن کا تعلق ہڑپہ اور موہنجوداڑو سے ہے اسے پنجاب یا سندھ تہذیب کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے مگر کیا اس تہذیب کی ابتدائی جڑیں سندھ یا پنجاب میں ہیں یا یہ کسی اور تہذیب کا تسلسل یا پیداوار ہیں اگر مذکورہ تہذیبی آثار کسی اور تہذیب کا تسلسل ہیں تو آثار قدیمہ کے نظریات کے مطابق اسے وہ نام دیا جائے جو اس کی جنم بھومی یا نقطہ آغاز ہے جس کو آثار قدیمہ کی دنیا میں کوئی رد نہیں کر سکتا اور یہ اس کا حق اور ماہرین کی اخلاقی ذمہ داری بھی ہے لہذا یہاں میں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ حق دار کو اس کا حق دیا جائے یہ حق صرف بولان کو حاصل ہے کیونکہ سندھ پنجاب کی تہذیب بولان کی پیداوار اور تسلسل ہے اور اس کی ابتدائی جڑیں بھی وادی بولان میں پیوست ہیں لہٰذا ان تمام تہذیبی آثار و باقیات کو بولان کی تہذیب سے موسوم کیا جاتا ہے۔

بولان کے نام سے درہ اور دریا صدیوں سے چلا آ رہا ہے جو بلوچستان کے وسطی علاقے پر پھیلا ہوا ہے کیونکہ سر بولان سے اختتام درے بولان تک دریائے بولان بہتا ہے سر بولان پر وادی کوئٹہ واقع ہے اور اختتام درہ بولان پر ڈھاڈر واقع ہے جو کچھی کے میدانی علاقے کا نقطہ آغاز ہے درہ بولان 180 کلومیٹر طویل ہے جس میں کئی تہذیبی آثار، وادیاں، نخلستان، دیہات واقع ہیں درہ بولان کے جنوبی سرے پر اگر مہرگڑھ کے قدیم آثار ہیں تو شمالی سرے پر
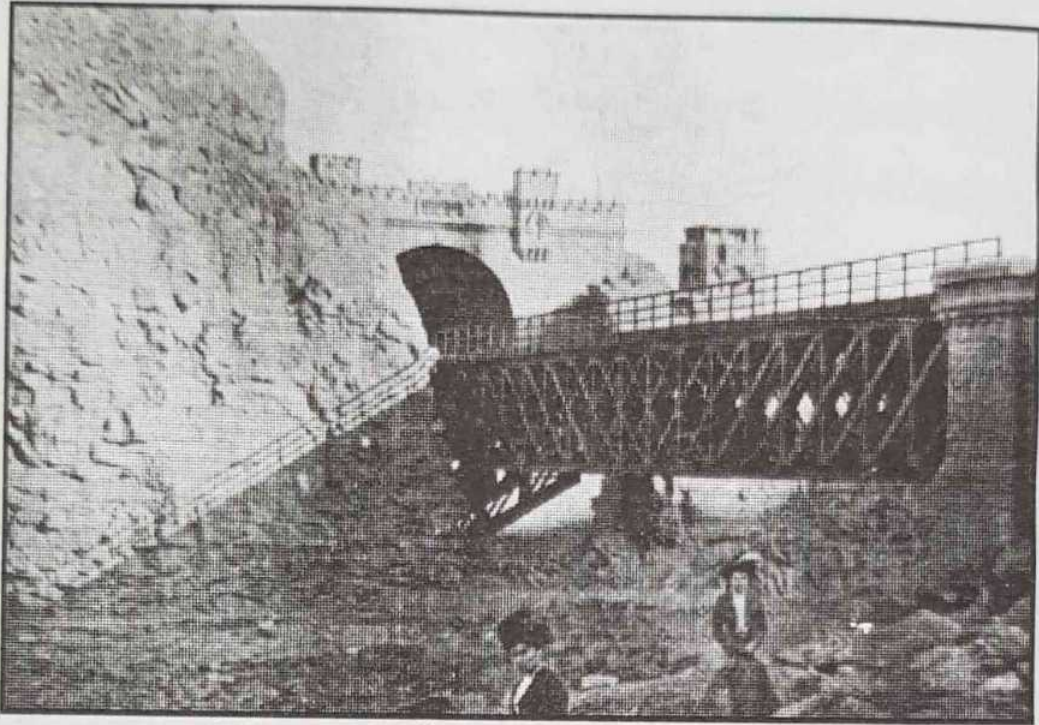
(برطانوی دور میں درہ بولان کا دلکش منظر)
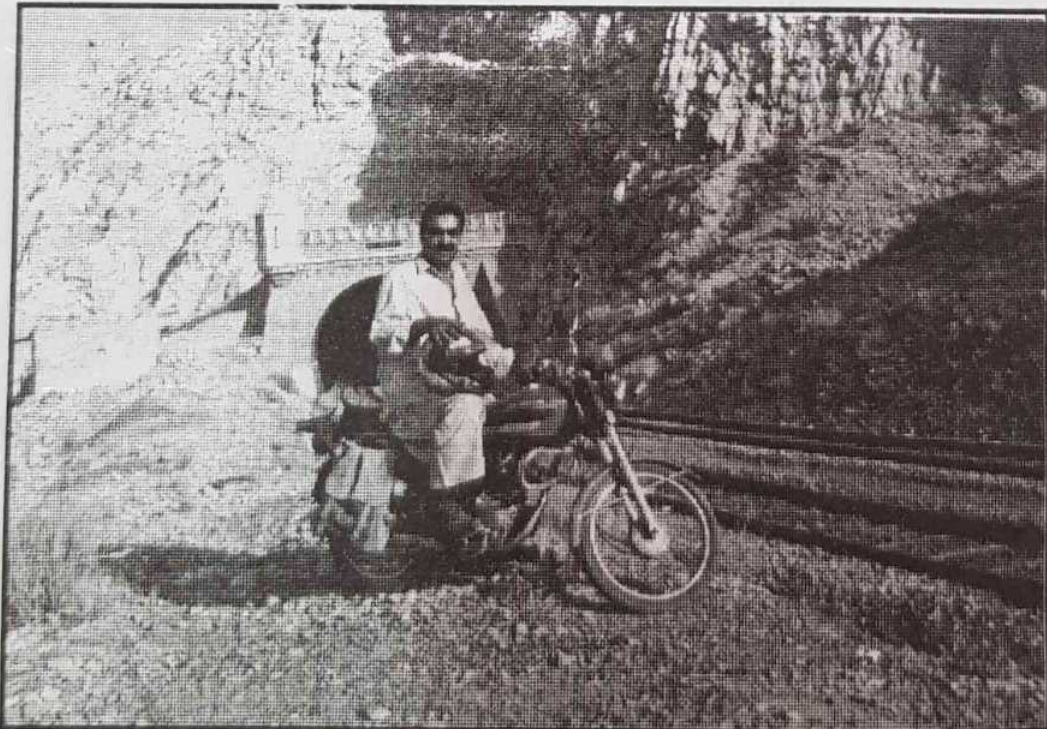
(بلوچستان ، درہ بولان میں ریلوے سرنگ دوزان کا دلکش منظر)

وادی کوئٹہ کی قدیم ثقافت کے آثار موجود ہیں جو ایک دوسرے کا تسلسل ہیں یہاں اس بات کا ذکر کرنا انتہائی اہم اور ضروری ہے کہ دریائے بولان جو درہ بولان میں ہزاروں سال سے بہتا آرہا ہے یہ دریائے سندھ کا معاون دریا نہیں ہے کیونکہ نہ تو یہ دریا سندھ سے نکلتا اور نہ ہی کسی مقام پر گرتا ہے بلوچستان کی قدیم تہذیب جو وادی کوئٹہ کی تہذیب کے نام سے موسوم ہے۔جس کا دائرہ بلوچستان میں وادی ژوب، جنوب میں وادی مولہ اور مشرق میں ہڑپہ تک پھیلا ہوا ہے۔

بولان کی تہذیب اپنی وسعت کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی اور تاریخی اعتبار سے قدیم تہذیب ہے۔ زمانہ قدیم میں بلوچ سلطنت وتہذیب کا دائرہ بحیرہ روم اور دریا وارل سے دریائے سندھ کے مغربی کنارے تک پھیلا ہوا تھا۔موجودہ دور میں بلوچستان کی جغرافیائی سرحدات وہ نہیں جو کبھی سلطنت توران، ماد کردستان اور ریاست قلات کی ہوا کرتی تھیں ۔بلوچ، براہوئی اور کرد کبھی ایک قومی وحدت ہوا کرتے تھے۔مگر زمانے کے نشیب وفراز نے انہیں تین مختلف نام اور زبانیں دے دیں مگر یہ تینوں نسلی طور پر ایک ہی ہیں۔اور ایک ہی تورانی ترک گروپ آف لینگوئج سے ان کا تعلق ہے۔یہ تینوں زبانیں لہجہ کے اعتبار سے بھی تقریباً 50 فیصد اب بھی ایک ہیں۔اور بحیرہ روم سے دریائے سندھ تک آج بھی یہ تینوں اقوام ایک ساتھ ہزاروں سال سے رہتی چلی آرہی ہیں۔مگر زمانے کے انقلابات کی وجہ سے کی سیاسی سرحدیں کبھی پھیلتی اور کبھی سکڑتی رہیں۔آخر کار آج 21 ویں صدی عیسوی میں یہ قدیم سلطنت کئی ممالک میں تقسیم ہو کر رہ گئی۔لہذا ہم اپنی تحقیق کے دائرہ کا مختصر بیان کرتے ہوئے شمال میں ژوب، جنوب میں کراچی ،مغرب میں گوادر اور مشرقی جانب دریائے راوی اور دریا سندھ کے کنارے موہنجوڈارو کے قدیم ٹیلے تک کو بولان کی تہذیب میں شامل کرتے ہیں۔اور اپنے مطالعہ کا دائرہ اسی علاقے تک مرکوز کرتے ہوئے اردگرد کی تہذیبوں اور ثقافتوں کا جائزہ بھی لیتے ہیں۔تاکہ مماثلت کے ساتھ ساتھ اثرات اور ایک دوسرے سے وابستگی کے بارے میں بھی تحقیق ومطالعہ ہو سکے اور اصل سرچشمہ کی دریافت اور تحقیق میں مزید آسانی ہو۔ویسے تو تحقیق سے ماہرین نے اور میں نے ثابت کرنے کی کافی کوشش کی ہے۔کہ وادی بولان کی تہذیب کی مماثلت، ایران، عراق، افغانستان اور

ترکمانستان سے دریافت شدہ قدیم تہذیبی آثار کے ساتھ پائی گئی ہے مماثلت اور وابستگی کے
حوالے سے اس کتاب میں الگ باب ہے جس میں تفصیل سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے
ماہرین نے دریافتوں اور تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ ان تہذیبوں کا زمانہ یہاں کے آثار و باقیات
کے ہمصر ہے۔ مہر گڑھ سے ہڑپہ تک کا تمام علاقہ بولان کی تہذیب (وادی کوئٹہ کی ثقافت
) کا تسلسل ہے، جس سے انکار علم آثار قدیمہ کی سائنس سے انکار ہے۔ جو کسی طور نہیں کیا جا سکتا۔
اس دور کا دائرہ سات ہزار سال تک پھیلا ہوا ہے۔

سندھ کی تہذیب ہڑپہ جس کی گزشتہ دریافتوں کے بارے میں مختصر سی تاریخ قارئین کی
خدمت میں مذکورہ بالا پیراگراف میں پیش کی گئی اکثر پڑھنے والوں کو تھوڑی بہت معلومات پہلے
سے ہونگی یہاں میں اپنے پڑھنے والوں کو ان دنوں کے بارے میں بتانا چاہوں گا جب میں نے
ہڑپہ پر تحقیقی کام شروع کیا ہڑپہ آرکیالوجیکل ریسرچ پراجیکٹ انسٹیٹیوٹ ہڑپہ 1986 سے
امریکن آرکیالوجیکل مشن کی معاونت اور یونیسکو کے تعاون سے تحقیقی کام کر رہا ہے اس پراجیکٹ کا
آغاز امریکی ماہرین آثار قدیمہ ڈاکٹر جارج ایف ولز اور جے ایم کنائر نے کیا موجودہ پراجیکٹ
ڈائریکٹر ڈاکٹر رچرڈ ایم میڈو اور فیلڈ ڈائریکٹر ڈاکٹر جاناتن مارک کنائیر ہیں وہ گزشتہ 20 سالوں
سے یہاں خدمات انجام دے رہے ہیں ان کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ پاکستان میں ہڑپہ موہنجوداڑو
کے علاوہ دوسری آرکیالوجیکل دریافت بھی ہوئی ہیں ڈاکٹر رچرڈ میڈو اور ڈاکٹر جے مارک کنائیر کی
خدمات اور کاوشیں پاکستان میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

میں نے کیوبان اسٹیٹ یونیورسٹی آف سوویت یونین کی ریاست روس سے
1994 میں شعبہ آثار قدیمہ میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی اور طالب علمی کے زمانے کے یعنی
1889-90 کے شمالی قفقاز میں 1200 قبل مسیح کے تہذیبی آثار کی ایکسپیڈیشن سوویت ماہرین
آثار قدیمہ کی ٹیم میں شامل ہوا۔ اس دوران کئی تحقیقی مضامین بھی لکھے جن کا تعلق شمالی قفقاز و زنیا
اور سندھ کی تہذیب سے تھا 1995 کو ہڑپہ آرکیالوجیکل ریسرچ پراجیکٹ انسٹیٹیوٹ ہڑپہ میں
ممبر کی حیثیت سے شرکت کی اور تقریباً تین سال تک تلاش کھدائی اور دریافتوں میں حصہ لیتے

ہوئے تحقیقی کام جاری رکھا یہ پراجیکٹ امریکی ماہرین آثار قدیمہ ڈاکٹر جارج ایف ویلز اور جے ایم کنائیر نے 1986 میں شروع کیا اس دوران انہوں نے جدید سائنسی خطوط پر آرکیالوجیکل تحقیق کو جاری رکھا انتھک محنت اور کوششوں سے سندھ کی قدیم تہذیب کو دنیا بھر میں متعارف کرایا اور اس ضمن کی رپورٹس اور کتابیں لکھیں جو محکمہ آرکیالوجی اور لوگوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔

1995-96 میں سندھ کی تہذیب کے مرکزی شہر ہڑپہ میں تھا۔ تھانہ مونٹ میں خندق نمبر 27 پر تحقیقی کھدائی جس کا زمانہ تقریباً 2200 سال قبل رہ چکا تھا جسے بعد میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تبدیل کیا گیا تھا یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مکان کسی دستکار یا ہنرمند کا ہو کیونکہ اس مکان سے پتھر کے اوزار سیپ کاریگری موتی ابرق آمیز کاریگری کی باقیات اور ورکشاپ پلیٹ فارم بھی دریافت کیا تھا اس مکان کے اردگرد دوسرے مکانوں میں بھی اسی قسم کے سامان اور باقیات برآمد ہوئی ہیں جن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ علاقہ دستکاروں کے مکانات کا تھا جہاں 2200 قبل مسیح سے پہلے مکان اور بعد میں کارخانے بنائے گئے نچلی تہہ سے کچی اینٹوں کے کمرے اور سیڑھیاں تیار کیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مکمل گھر تھا کیونکہ خندق نمبر 27 کی مکمل کھدائی اور تحقیق سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ جگہ عمدہ اور ایک گھر کی تمام ضروریات اور معیار کے مطابق اور ایک اچھے تہذیب یافتہ دنیا کے گھر کا نقشہ پیش کررہی تھی نکاسی آب کا انتظام اور گھریلو استعمال کے برتن اور اس کی بالائی تہہ میں پکی اینٹوں کی دیواریں اور ورکشاپ پلیٹ فارم جس پر کاریگر کام کرتے تھے اور وہاں سے مختلف پتھر کے اوزار بھی دریافت ہوئے ان میں کچھ مکمل اور کچھ نامکمل تھے ہڑپہ سے ملنے والے پتھر کے باٹ جو ان کے اعشاری نظام کو ظاہر کرتے ہیں کثیر تعداد میں دریافت ہوئے ہیں ان باٹوں سے وزن کرنے کے ایک باقاعدہ اصول کا انکشاف ہوا۔

اگلے برس 15 جنوری 1996 کو آرکیالوجیکل ایکیوزیشن کا آغاز ہوا تو میں نے سابقہ خندق نمبر 27 تھانہ مونٹ اپنی تحقیقی کھدائی کو جاری رکھا خندق سے تقریباً آٹھ ٹن راکھ اور کوئلہ برآمد ہوا جو بھٹی میں استعمال کیا گیا واضح ہو کہ یہ مکان تقریباً 22 سو سال قبل مسیح میں

ورکشاپ کے طور پر استعمال کیا گیا مگر اس سے پہلے یہ ایک گھر کا منظر پیش کرتا ہوگا مکان کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں مگر جب اسے ورکشاپ میں تبدیل کیا گیا تو اس دور میں پکی اینٹوں کا استعمال عام ہوا ہوگا خندق نمبر 27 سے جو نکاسی آب کا نظام دریافت ہوا وہ بالکل موہنجو داڑو کی طرز کا تھا جو پکی اینٹوں کا بنا ہوا تھا قدیم ہڑپہ کے لوگ موجودہ دور کی طرح فرش پر پکی اینٹیں بچھاتے تھے 1996 میں کھدائی کے دوران ایک اہم دریافت ہوئی جو میرے لئے بھی اعزاز کی بات ہے وہ خندق نمبر 27 ہڑپہ دور کی پکی اینٹوں کی سیڑھی تھی قبل ازیں ہڑپہ سے اس طرح بہترین حالت میں کوئی سیڑھی دریافت نہیں ہوسکی بعد کے زمانے میں ان سیڑھیوں کے اوپر تہہ سے ایک بارانی نالہ گزرتا تھا یہ انکشاف 1996 میں تحقیقی کھدائی کے دوران مزید واضح ہوا کہ جو بارانی پانی کے ساتھ برتن کے ٹکڑے اور جانوروں کی ہڈی بھی ساتھ لے آئے تھے وہ بھی اس خندق سے دریافت ہوئے ہیں۔

ہڑپہ آرکیالوجیکل ریسرچ پراجیکٹ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر رچرڈ میڈو جانوروں پر بین الاقوامی تحقیق کرنے والے ماہر آثار قدیمہ ہیں ان کی تحقیق کے مطابق ہڑپہ کے لوگ بہت سے جانوروں سے بالکل ناواقف تھے مثلاً گھوڑا اونٹ گدھا خچر وغیرہ اس کے برعکس بولان کی تہذیب مہر گڑھ کے لوگ 9 ہزار سال کی قبل مسیح کھجور گندم، جو، چاول اور کپاس کی کاشت باقاعدگی سے کرتے تھے اور بہت سے دوسرے پالتو جانور مثلاً بارہ سنگھا، گائے بھیڑ، بکری، مرغی، گھوڑا، گدھا، کتا اور بلی سے بخوبی واقف تھے۔

سندھ کی تہذیب ہڑپہ کے آثار سے ان تمام دریافت شدہ اشیاء میں سب سے زیادہ اہم ترین ہیں جن پر بیل گینڈا شیر اور مگرمچھ کی اشکال بنائی گئی ہیں زیادہ تر مہریں نرم پتھر کی ہیں اس کے علاوہ اب تک جو کھدائیاں ہوئی ہیں ان میں مٹی سے بنے ہوئے برتنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے یہ تمام برتن چاک کی مدد سے بنائے گئے ہیں ان کا رنگ سرخ اور بعض برتنوں پر گہرے سرخ رنگ کی دھاریاں بھی ہیں اور ان پر سیاہ رنگ کے بیل بوٹے بھی بنائے گئے ہیں بعض برتنوں پر انسانی اور حیوانی شکلیں اور درختوں کے پتے بھی بنے ہوئے ہیں اس زمانے میں شاید یہ صنعت

اپنے عروج پر تھی۔ وسطی ایشیا سے آریہ کے وحشی قبائل 1900 سال قبل مسیح کے لگ بھگ نکل کر ایران پر قبضہ کرنے کے بعد بلوچستان کے راستے سندھ میں داخل ہوئے لیکن ہڑپہ کے تجارت پیشہ لوگوں کو وسطی ایشیا سے آنے والے جنگجو اور وحشی آریاؤں نے تباہ کیا ماہرین آثار قدیمہ کے مطابق ہڑپہ کی تباہی وحشی آریائی قبائل کی وجہ سے یا دریاؤں کے رخ تبدیل کرنے یا وبائی امراض سیلاب اور موسمی اثرات سے تباہ اور برباد ہوتے رہے ہیں میری تحقیق کے مطابق وادی سندھ کی تہذیب ہڑپہ زوال پذیر نہیں ہوئی بلکہ ارتقائی عمل سے گزر رہی ہے۔

مہر گڑھ کو سندھ اور بلوچستان کی قدیم تہذیبی مرکز ہونے کی حیثیت بھی حاصل رہی ہے۔ مہر گڑھ ڈھاڈر سے 15 کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے بولان کے کنارے واقع ہے۔ ڈھاڈر سرمائی پایہ تخت ریاست قلات رہا ہے۔ اس تہذیب کا دوسرا بڑا مرکزی شہر نوشیرہ جو مہر گڑھ سے 9 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ نوشیرہ کا تہذیبی زمانہ 27 سو سال قبل مسیح ہے۔ جو تقریباً ہڑپہ دور سے 2 سو سال پہلے شروع ہوا مگر ہڑپہ اور نوشیرہ میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ جس کے ظروف اور طرز تعمیر سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ مہر گڑھ، نوشیرہ کے بعد ہڑپہ کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مہر گڑھ کے بعد نوشیرہ کا اور اس کے بعد ہڑپہ کا یہی تہذیبی تسلسل ہے۔ بلکہ موہنجوداڑو، ہڑپہ، پیرک اور نوشیرہ اس تہذیب کے اہم شہر تھے۔ جو شمالی اور جنوبی بلوچستان میں دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ جس کے ہر ثقافتی اور تہذیبی نمونے میں واضح طور پر بولانی تہذیب کا رنگ جھلکتا ہے۔

وادی کوئٹہ کے اردگرد اور جنوب میں پروفیسر توارت پگٹ نے مٹی کے برتنوں کا ایک سلسلہ دریافت کیا تھا۔ ان دریافت شدہ ظروف کو "کوئٹہ ظروف" کا نام دیا گیا۔ جس سماج کی یہ برتن پیداوار تھے اسے کوئٹہ ثقافت کا نام دیا گیا۔ ثقافت (کلچر) زراعت کا تقاضا کرتی ہے جبکہ تہذیب شہر کا، کیونکہ دولت اور ذہانت جو دیہی علاقوں میں پیدا ہوتی ہے شہر میں جمع ہو جاتی ہے تہذیب کسانوں کی جھونپڑیوں سے شروع ہوتی ہے لیکن اس کی افزائش شہروں میں ہوتی ہے کوئی شہری تہذیب اس وقت تک جنم نہیں لے سکتی جب تک پہلا سماج نہایت واضح طبقات میں تقسیم نہ

ہو چکا ہو جس کیلئے بلوچستان کے طبقاتی ڈھانچے کو سمجھنا ضروری ہے۔ ابتداء میں کوئٹہ ثقافت کا دائرہ شہر کے قریب صرف پانچ ٹیلوں تک محدود سمجھا گیا، لیکن بعد میں مزید کھدائیوں اور تحقیق سے اس کا دائرہ تقریباً 160 کلومیٹر جنوب کی جانب پھیل گیا۔ اس طرح کوئٹہ سے لے کر توغو اور انجیرہ تک کو کوئٹہ ثقافت میں شامل کر کے تسلیم کیا گیا۔ مس بیٹرلیس دوکارڈی نے قلات ڈویژن میں جو کھدائیاں کروائی تھیں اور ڈاکٹر والٹر اے فیر سروس جونیئر نے ژوب اور کوئٹہ میں جو تحقیقاتی کام کیا تھا ان سب سے کوئٹہ ثقافت کا دائرہ وسعت پکڑتا ہوا بلوچستان ہی نہیں بلکہ دوسرے ہمسایہ ممالک میں بھی وسیع تر ہوتا گیا۔ ژوب میں پرنوغنڈی دریا ژوب کے کنارے واقع ہے اسے 1898ء میں دریافت کیا گیا۔ مس بیٹرلیس دوکارڈی نے جو تحقیقی کھدائیاں انجیرہ کے مقام پر کی ہیں اور جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق یہاں کے قدیم باشندے جدید حجری دور کے نیم خانہ بدوش تھے اور وہ اس علاقے میں تقریباً 35 سو سال قبل مسیح سے آباد تھے۔ یہ لوگ ترکی اور عراق سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ دراوڑ بھی بحیرہ روم کے مشرقی کنارے سے ہجرت کر کے آریانہ اور بلوچستان کی قدیم گزرگاہوں کے ذریعے داخل ہوئے تھے۔ اور یہ دوراستے انسانی منتقلی کے واضح ثبوت ہیں کہ انسان نے بڑے پیمانے پر شمال سے جنوب کی جانب ہجرت کی ماہرین انہی اقوام کو وادی سندھ کی تہذیب کا وارث قرار دیتے ہیں کسی نے براہوئی کو دراوڑ پکارا اور یہ نظریہ پیش کیا کہ یہ سندھ کی تہذیب کی وارث ہے تو ہمارے بعض محقق و دانشوروں نے اسے اٹل قرار دے کر مزید ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی کہ براہوئی دراوڑ ہیں۔ جبکہ جدید تحقیق سے واضح ہے کہ بحیرہ روم سے دریائے سندھ کے مغربی کنارے تک بلوچ (کرد، براہوئی اور بلوچ) ہزاروں سال سے آباد ہیں۔ اسی طرح مس دوکارڈی نے توغو و قلات کے قدیم تہذیبی آثار دریافت کئے تھے۔ جو کوئٹہ ثقافت کا ہی حصہ ہیں مگر کچھ ماہرین نے اسے توغو اور کچھ نے قلات ثقافت کا نام دیا۔ اصل میں یہ تمام خطہ کوئٹہ ثقافت کے دائرے میں شامل ہے۔

کوئٹہ شہر کے شمال کی جانب تقریباً 6 کلومیٹر کے فاصلے پر کلی گل محمد واقع ہے۔ یہ آج بھی انسانی آبادی کا دیہات ہے کلی مقامی و پشتو زبان میں گاوں کو کہتے ہیں۔ یہ ایک قدیم تہذیب آثار کی باقیات جواب ٹیلے کی صورت میں نظر آتی ہیں۔ ماہریں آثار قدیمہ نے اس کا زمانہ 5 ہزار سال قبل مسیح ظاہر کیا ہے۔ جبکہ میری نظر میں اس ٹیلے پر کھدائی اور تحقیقی کام ابھی مکمل نہیں ہوا۔ لہٰذا اس کے بارے میں آخری نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ زراعت اور مویشی کی ترقی اور رفتہ رفتہ دھات کے اوزاروں کا استعمال عام ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبیلے یا تو زمین کی کاشت کرتے تھے یا مویشی پالنے میں بتدریج مہارت حاصل کر لی زراعت پیشہ قبیلے مغربی کرہ کے مختلف حصوں میں پھیل گئے اور مشرقی نصف کرہ میں ان کے نشانات زیادہ تر بڑے بڑے دریاوں کی وادیوں میں ملے جیسے مصر میں دریائے نیل، عراق میں دجلہ وفرات، ہندوستان میں دریائے سندھ، چین میں دریائے زرد، بلوچستان میں دریائے بولان ناڑی اور مولہ نیز ایشیائے کوچک اور جزیرہ نما بلقان کے کچھ حصے جن میں لوگوں نے مویشی پالنے کا پیشہ اختیار کیا تھا وہ زیادہ تر جنوبی سائبریا، بحیرہ ارال کے طاس ایرانی سطح مرتفع اور بحیرہ اسود کے کنارے جنوبی میدانوں میں جا بسے بلوچستان کی قدیم کوئٹہ ثقافت جس کے مختلف علاقوں سے آثار دریافت ہوئے ہیں یہاں کے قدیم لوگ زراعت کیساتھ ساتھ مویشی پالنے میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔ کلی گل محمد ٹیلے کی قدیم ترین آبادی میں زراعت پیشہ لوگ آباد تھے۔ جو زراعت کیساتھ ساتھ بکری، بھیڑ، گائے، بھینس اور اونٹ پالتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ گندم، جو اور باجرہ کی باقاعدہ کاشت کرتے تھے۔ یہ نیم خانہ بدوشانہ زندگی گزارنے کے بہ نسبت زیادہ تر قیام پسند آبادی تھی۔ یہاں کے دوسرے مرحلے کے لوگ ہاتھ سے برتن بناتے تھے۔ تیسرے مرحلے کے لوگ کمہار کے چاک پر برتن بناتے تھے۔ اور چوتھے دور میں کیچی بیگ ثقافت نظر آتی ہے۔ ماہرین نے کلی گل محمد کا زمانہ 5 ہزار سال قبل مسیح اور اختتام 3 ہزار سال قبل مسیح ظاہر کیا ہے۔ پروفیسر توارٹ پگٹ نے 1946ء میں کیچی بیگ اور دمب سادات میں کامیابی حاصل کی، کیچی بیگ کوئٹہ سریاب میں واقع ہے کبھی اسے دیہات کی

حیثیت حاصل تھی مگر اب یہ بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے کوئٹہ شہر کا حصہ بن گیا ہے۔ جہاں زندگی
کی تمام سہولیات میسر ہیں دمب سادات کوئٹہ مستونگ شاہراہ پر واقع ہے۔ان مقامات سے اعلی
قسم کے مٹی کے برتن برآمد ہوئے ساتھ ہی تانبا اور کانسی کے عہد کے آثار بھی دریافت ہوئے اس
پر نیچرل ہسٹری میوزیم آف امریکہ کی ایک ٹیم نے مسٹر وال ٹراایے فیر سروس کی زیرنگرانی 1950ء
میں کام کیا انہوں نے وادی کوئٹہ میں تقریباً 15 قدیم ٹیلے دریافت کئے جن کا زمانہ تانبا کے دور
سے تھا۔اسی طرح راقم نے وادی کوئٹہ میں سروے کا آغاز 1996ء سے کیا اور اب 2007ء تک
جاری ہے۔واضح رہئے کہ اب تک سابقہ اور نئے ملا کر کل 57 قدیم آثار کی نشاندہی کر
چکا ہوں۔شاہد اس سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے۔ان تمام آرکیالوجیکل سائیٹز کا تعلق 6 ہزار سال
قبل مسیح سے 16 سو سال قبل مسیح تک کا ہے۔

براہوئی کرد بلوچوں نے 854 سال قبل مسیح میں توران کو فتح کیا تو امیر کیکان نے خطے
کو ان 8 بڑے قبیلوں میں کچھ اس طرح تقسیم کیا۔

1) قبیلہ کہکانی اور گورانی کو کہکانان کا حصہ ملا۔

2) کوہسار بٹوارے میں غزداری، سارونی، گریشگانی، مشکانی کو ملا۔

3) سنار یبل ،قبیلہ ارمیلی کو بطور حصہ ملا بعد میں ارمابیل کے نام سے موسوم ہوا۔

4) وادی درنگان ودرہ درنگان بلوچ کرد قبیلے کو بٹوارے میں ملا۔

کرد قبائل میں ایک ذیلی شاخ بولانی ہے۔کردوں کی رہائش اور ملکیت کی وجہ سے اس
علاقہ کا نام بولان پڑ گیا۔کرد قبیلے کے اس دور کے سردار زراب شالین کے نام سے موسوم وادی کا
نام شال پڑ گیا بعد میں اسی وادی میں ایک قدیم قلعہ کو بولانی کرد قبیلے کے سردار نے دوبارہ مرمت
کر کے قابل رہائش بنا دیا۔اور اس قلعے کے دو دروازے تھے اس قلعہ کی باہر کچی فصیل تھی مشرق
اور مغرب دو ابواب ہیں جنوبی دروازے کا نام شکار پوری ہے یہ قلعہ وسط شہر کی ایک مصنوعی ڈیری
پر قائم ہے جس میں نائب (گورنر) رہتا تھا یہ جگہ پوری وادی کی منظر گیر ہے اس پر صرف ایک
توپ نصب ہوا کرتی تھی اس کے علاوہ مزید تین قلعے وادی کوئٹہ میں تھے سریاب میں شماہوانی قلعہ،

کاسی قلعہ، اور درانی قبیلہ کا قلعہ شامل ہے۔

وادی کوئٹہ سراوان صوبے کی ایک تحصیل تھی جہاں خان بلوچ کا گورنر رہتا تھا۔اس طرح وادی شال شالکوٹ کے نام سے مشہور ہوئی جو بعد کے زمانے میں شالکوٹ اور پھر کوئٹہ کے نام سے زیادہ پہچانا جانے لگا وادی کوئٹہ کا ذکر مختلف ادواراور زمانوں میں مختلف ناموں سے ہوتا چلا آ رہا ہے اس حوالے سے یہاں ہم تاریخی کتابوں اور سفر ناموں کا ذکر کریں گے ہمایوں نامہ میں راقوم ہے کہ ان کی ہمشیرہ گل بدن بانو دوران سفر ایران براستہ وادی کوئٹہ سے گزری تھی جس میں کوئٹہ کا نام شال درج ہے آئین اکبری میں وادی کا نام شال درج ہے اس کے علاوہ تاریخ سیستان تصنیف سیف بن محمد بن یعقوب اہردی نے اس تاریخی کتاب میں 1293ء سے 1330 تک کے تمام واقعات تحریر کئے ہیں جن میں وادی کا نام شال ہی لکھا گیا ہے اس کے علاوہ مہا بھارت میں شاہی مندر کا ذکر بھی ہوا ہے اس نام کا مندر آج بھی کوئٹہ قلعہ میں واقع ہے جسے سال میں صرف ایک بار ہندو یاتریوں کیلئے کھولا جاتا ہے اس کے علاوہ مشہور خودنوشت ''میں تیمور ہوں'' میں تیمور شاہ نے ہندوستان سے سفر براستہ وادی کوئٹہ سے گزرتے ہوئے کیا اور انہوں نے یہاں قیام کیا ان کی میزبانی کے فرائض گورنر ملک عبداللہ نے سرانجام دیئے جو ریاست توران کے گورنر تھے گفتگو کے دوران تیمور شاہ کے پوچھنے پر وادی کا نام کوئٹہ بتایا گیا بعض مورخین کا خیال ہے کہ وادی کوئٹہ کا قدیم نام ''قطعہ'' تھا جس کے معنی زمین کا چھوٹا سا ٹکڑا ہے وادی کوئٹہ کے بارے میں ایک تاریخی روایت یہ بھی ہے کہ احمد شاہ ابدالی امیر فغانستان کو بلوچوں نے جنگ کے دوران کمک دے کر فتح سے ہمکنار کرایا جس کی خوشی میں احمد شاہ نے میر نصیر خان اول خان آف قلات کی والدہ کو وادی شال چادر (شال) اور میر نصیر خان کو کوٹ دے دیا جس کی وجہ سے وادی کا نام شال کوٹ پڑ گیا اگر یہ روایت درست ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہے کہ وادی شالکوٹ تحفہ میں دینے سے پہلے اس کا نام کیا تھا۔

بولان کا قدیم نام درنگان تھا۔ کیونکہ سر بولان سے ڈھاڈر تک درہ درنگ ہی درنگ ہے۔ درنگ براہوئی زبان میں کھائی کو کہتے ہیں۔ کرد قبیلے میں آج 21ویں صدی عیسوی میں بھی

بولان زئی طائفہ مچھ کے علاقے میں کثیر تعداد میں آباد ہے۔ درہ بولان ایک طویل گزرگاہ ہے۔
جس میں چھوٹی چھوٹی بہت سے زرخیز وادیاں اور نخلستان موجود ہیں۔ درہ بولان کے شمال مغربی
سرے پر وادی کوئٹہ واقع ہے۔ جو چاروں طرف سے اونچے پہاڑوں اور مختلف وادیوں اور دروں
کے پیچ وخم میں واقع ہے۔ دوسری جانب یعنی جنوبی سرے پر ڈھاڈر کا زرخیز میدانی علاقہ واقع
ہے۔ دریائے بولان، دریائے مورو، درہ بولان اور کچھی کو سیراب کرتا آرہا ہے۔ دوسری جانب
دریائے ناڑی واقع ہے۔ یہ دو آبیانہ مل کر پورے کچھی کو سیراب کرتے ہے۔ شاہد انہی کی وجہ سے
بولان کا تہذیبی مرکز مہرگڑھ یہاں پروان چڑھا، کیونکہ مہرگڑھ سنگموں کا سنگم ہے۔ درہ مولہ اور درہ
بولان کا سنگم بھی مہرگڑھ ہی ہے۔ میدانی اور پہاڑی خطہ کا مہرگڑھ ہی سنگم ہے۔ ماحول اور موسم کا
سنگم بھی مہرگڑھ ہی ہے قدیم تہذیبوں کا جس نے کبھی جنوبی ایشیاء، مرکزی ایشیاء اور مشرق وسطی پر
راج کیا یہ وہ تہذیبی مرکز ہے۔ جہاں پر درخانی مکتبہ، یونیورسٹی قائم ہوئی اسے بلوچستان کی پہلی
قدیم یونیورسٹی کا درجہ بھی حاصل رہا ہے۔ جس نے کئی دانشور پیدا کئے اور خطہ میں کی دولت اور نور
سے سارے علاقے کو روشن کیا۔

بولان کی قدیم تہذیب مہرگڑھ کو 1974ء میں فرانسسی ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر جین
فرانسولیس اور ان کی ٹیم نے دریافت کیا جو پوری دنیا میں ایک حیرت انگیز دریافت تھی۔ بولان کی
قدیم تہذیب مہرگڑھ جو انسانی کارکردگی کے حوالے سے دنیا بھر کی اولین ابتدائی منظم زرعی و صنعتی
تہذیب تھی۔ مہرگڑھ میں تحقیق کے دوران ایک دوسرے کے اوپر سات تہیں دریافت ہوئیں، جسے
ماہرین آثار قدیمہ نے زمانوں میں یوں تقسیم کیا کہ اس کا پہلا دور 9 ہزار سال قبل مسیح سے 7 ہزار
سال ق م، دوسرا دور 7 ہزار سال ق م سے 5 ہزار سال ق م پر 5 ہزار سال سے 4 ہزار سال قبل مسیح
تک کا ہے۔ میری تحقیق کے مطابق یہ ساتوں تہیں جن کا مختلف زمانوں سے جن کا تعلق ہے۔ مگر یہ
ساتوں تہیں راکھ اور کوئلہ کی ہیں۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مہرگڑھ میں بار بار آتش
زدگی ہوئی جس سے وہ راکھ کے ڈھیر میں ہر بار تبدیل ہوتا گیا۔ قدیم دور میں لوگ آپس میں لڑا
نہیں کرتے تھے۔ لیکن مہرگڑھ کے علاقے میں لڑائی اور جنگ کے آثار دریافت ہوئے ہیں۔

کیونکہ زمین زرخیز اور پیداوار زیادہ ہونی لگی اور پیداوار کا بچا ہوا اناج گوداموں میں محفوظ رکھا جاتا تھا۔ جنگجو اور خانہ بدوش غذا کی تلاش میں ان پر حملہ کر کے غذا کو لوٹنے لگے جس کے آثار مہر گڑھ اور چند ایک کوئٹہ کے قدیم ٹیلوں سے بھی دریافت ہوئے ہیں جن میں خاص کر کلی گل محمد قابل ذکر ہے۔

مہر گڑھ جو بولان کا تہذیبی مرکز رہا ہے۔ مہر گڑھ کے عروج کا زمانہ 7 ہزار سال قبل مسیح کا ظاہر ہوتا ہے۔ یہ زرعی ثقافت کے ساتھ ساتھ صنعتی اعتبار سے بھی ترقی یافتہ تہذیب میں ڈھل چکا تھا۔ زرعی معاشرہ کے قائم ہونے کی سب سے بڑی وجہ دریائے بولان تھا۔ اس کے علاوہ زرخیزی کی ایک بڑی وجہ مون سون کی بارشیں بھی تھیں۔ جس نے ایسے حالات اور ماحول سازگار بنائے کہ ایک ترقی یافتہ تہذیب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ یہیں وجہ ہے کہ آخری برفانی دور کے اختتام پر سب سے پہلی تہذیب بولان مہر گڑھ میں پروان چڑھی جو بلوچستان میں واقع ہے۔ قدیم دور میں انسان اوزاروں اور ہتھیاروں کی مدد سے غذا بھی حاصل کرتے تھے۔ اور اپنی حفاظت بھی انہی سے کرتے تھے۔ مہر گڑھ کے قدیم انسان نے وحشی اور خونخوار جانوروں اور پرامن جانوروں کے درمیان فرق کا تجزیہ کیا اور تجربہ حاصل کر لیا جس کی بنیاد پر ان جانوروں کو سدھار کر پالتو بنانا شروع کیا۔ جن جانوروں کو پہلی بار پالتو کیا وہ سبزی خور تھے۔ ان جانوروں سے نہ صرف دودھ، اون، چمڑہ اور گوشت حاصل کیا جاتا تھا۔ بلکہ انہیں بوجھ اٹھانے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اور بعد میں مہر گڑھ کے زرعی معاشرہ میں ان کو ہل میں جوت کر کھیتی باڑی کی جاتی تھی۔ مہر گڑھ 7 ہزار سال قبل مسیح میں دوسرے پالتو جانور مثلاً بارہ سنگھا، گائے، بھیڑ، بکری، مرغی، اونٹ، گھوڑا، گدھا، کتا اور بلی سے بخوبی واقف تھے اور انہیں اپنے گھروں میں باقاعدہ پالتے تھے۔

بولان کی تہذیب مہر گڑھ اپنے عروج کے زمانے یعنی 7 ہزار سال قبل مسیح میں اپنے اردگرد کی تہذیبوں سے زیادہ ترقی یافتہ تھی۔ مہر گڑھ کے آثار کے دریافت ہونے سے یہ بات مزید واضح ہوتی ہے کہ ترقی کی رفتار تیز تر ہو گی تھی جہاں سے دھرتی ماتا دیوی کی مورتی، بیل اور بیل گاڑی کے نمونے، آرائش شدہ خوبصورت مٹی کے برتن، جانوروں اور انسانوں کے مجسمے بچوں کے لئے کھلونے عورتوں کے آرائش و زیبائش کے منکے، بستر اور چارپائیاں دریافت ہوئی ہیں۔ مہر

گڑھ کے باشندے غاروں کی بجائے ابتداء میں کچی انٹیوں اور بعد کے زمانے میں پکی انٹیوں کے مکانات تعمیر کر کے ان میں رہائش کرتے تھے۔ دریافتوں سے یہ بات بھی واضح ہو رہا ہے۔ کہ مہرگڑھ کے باشندوں نے پہیہ ایجاد کرلیا تھا۔ کیونکہ 7 ہزار سال قبل مسیح میں بیل گاڑی اور کمہار کے چاک پر برتن بنانے لگے تھے۔ مٹی کے برتن جن پر پتے، جانوروں کی تصویریں اور جیومیٹریکل اشکال بنی ہوئی ہیں۔ ماہرین نے دریافت کی ہیں اور اپنی تحقیق سے ان تمام چیزوں کا سائنسی تجربہ کر کے تجزیہ کیا ہے۔ کہ ان کا تعلق مہرگڑھ سے ہے۔ جو صرف مقامی ہنرمندوں کی تخلیق ہے۔

بولان کی تہذیب کی دریافت اور تحقیق سے ماہرین نے بہت سی چیزوں سے پردے اٹھا دیئے ہیں۔ دوسرے آثار کے علاوہ ایک اہم دریافت یہ بھی ہوئی ہے۔ کہ یہاں کے باشندوں نے سب سے پہلے زراعت کی داغ بیل ڈالی۔ مہرگڑھ کے قریب جنگلی گیہوں کے پائے جانے کے آثار بھی ملے ہیں۔ ابتدائی دور میں مہرگڑھ کے لوگوں نے گیہوں کی کاشت شروع کر دی، ماہرین نے تحقیق سے آثار دریافت کئے کہ یہ دنیا کی واحد ابتدائی تہذیب ہے جہاں انسان نے گندم، جو، باجرہ، چاول، مکھی اور کپاس کی باقاعدہ کاشت کی شروعات کیں، مزید زراعت کے شواہد اناج کے گوداموں کے آثار سے ملے ہیں جیسے اوپر کے پیراگراف میں لکھا ہے کہ مہرگڑھ درہ بولان کے آغاز اور سبی کے قریب دریائے بولان کے مغربی کنارے اور دریائے ناڑی سے متعلقہ واقع انسانی تہذیب کا پہلا مرکز رہا ہے۔ سبی کچھی کے علاقے میں تین قدیم شہر مہرگڑھ، نوشیرہ اور پیرک کے آثار پائے گئے ہیں جو بولان کا تہذیبی آثار کے تسلسل ہے۔

بلوچستان سے نسلی آبادی کی منتقلی کے آثار جدید تحقیق کے مطابق 8 ہزار سال قبل مسیح سے ملتے ہیں کیونکہ مہرگڑھ اپنے اردگرد کے ماحول اور جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے زرعی اور صنعتی مرکز کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ جس کی وجہ سے آریانہ، باختر، فارس، عراق اور ہندوستان کے ساتھ آمدورفت اور تجارت کے قریبی تعلقات تھے۔ انہی وجوہات کی بناء پر موسم بہار کے ابتدائی ایام میں مہرگڑھ کے میدانی علاقے میں منڈی لگتی تھی۔ جہاں دور دور سے قافلے مہرگڑھ کا رخ کرتے تھے۔ جہاں موسمی آمدورفت کیساتھ ساتھ تجارتی قافلے آج 21 ویں صدی عیسوی میں بھی

مہر گڑھ سے متعلقہ میدانی علاقہ خاص کر مویشوں اور اناج کا مرکزی شہر سبی کا رخ کرتے ہیں۔ قدیم دور میں مہر گڑھ میں پالتو جانوروں، اناج اور ظروف کی منڈی لگتی تھی۔ مختلف ثقافتوں سے آئے ہوئے قافلے اشیاء ضرورت خریدتے تھے۔ اس موقع پر آئے ہوئے مختلف قافلوں کے لوگوں اور مقامی باشندوں کے درمیان مختلف کھیلوں کے مقابلے اور اس دور کے فن وادب کے تبادلے ہوا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے کئی دنوں تک اس علاقے میں جشن کا سماں ہوتا تھا۔ اس سالانہ منڈی نے تسلسل کیساتھ ترقی کرنا شروع کی۔ اب بولان کی تہذیب کے اردگرد دوسری ثقافتوں نے تہذیب میں ڈھلنا شروع کیا مگر مہر گڑھ کی اپنی مرکزی حیثیت قائم رہی اسی طرح یہ سالانہ زرعی و مویشی اور ظروف کی منڈی رفتہ رفتہ روایتی صورت اختیار کرتے ہوئے سالانہ جشن مویشیاں کا روپ اختیار کر گئی۔ جس میں اضافہ ضرور ہوا مگر اہمیت اور حیثیت میں کوئی کمی نہیں ہوئی، یہ اپنے اردگرد کے خطے میں واحد سالانہ میلہ ہے جو ہزاروں سال سے بہ دستور چلا آرہا ہے بلوچستان کے قدیم قومی و تاریخی میلے کو آج کے ڈیوڈس ثقافت کا قدیم روپ کہہ سکتے ہیں میری تحقیق کے مطابق جنوری سے 31 مارچ تک مشرق بعید سے مرکزی ایشیاء اور مشرق وسطیٰ تک بالترتیب زنجیر کی کڑی کی طرح یہ میلہ منایا جارہا ہے جس کی مثال لاہور کیٹل شو، ہڑپہ میل، ملتان میلہ، جیکب آباد جشن اور سبی کا مویشی اور زرعی میلہ ہے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کا ایک دوسرے سے ضرور کوئی رشتہ ہے اور ان کی ضرور کوئی تاریخی اہمیت اور روایات ہوں گی جس طرح سبی میلہ جو دنیا کا قدیم جشن ہے۔ جس کی تاریخ تقریباً 11 ہزار سال پرانی ہے۔ جو آج جشن سبی کے نام سے مشہور ہے۔

جشن سبی کو میر چاکر خان رند سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ کہ ان کے دور حکومت میں اس کا آغاز ہوا اسی طرح بہت سی دستاویزات میں انگریزوں کا ذکر ملتا ہے۔ 1885ء میں برٹش حکومت نے جشن سبی کو سرکاری حیثیت دی اور ساتھ ہی سالانہ شاہی جرگہ بھی منعقد کرنے کی منظوری بھی دیدی اس طرح جشن میں مختلف تبدیلیاں وقت و حالات کے ساتھ آتی گئیں جس کی وجہ سے کبھی یہ جشن چاکر خان رند اور کبھی انگریز سے منسوب کیا جاتا رہا ہے۔ جس کی تاریخی حوالے

سے کوئی مستند دستاویز یا تاریخ معلوم نہیں کہ یہ جشن کب اور کیسے شروع ہوا۔ جبکہ آثار قدیمہ کی دریافت اور تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ قدیم بولان کی تہذیب مہرگڑھ جس کا زمانہ 9 ہزار سال قبل مسیح تھا یہ میلہ اپنے ابتدائی تمام لوازمات کے ساتھ شروع ہوا جو آج اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا 21 ویں صدی عیسوی میں داخل ہوا۔ اور آج بھی اپنی تمام روایتی، تاریخی اور ثقافتی رونقوں کیساتھ یہ قدیم عالمی اکنامیکل فیسٹیول (جشن سبی) جاری ہے۔

باب-14

بولان کی تہذیبی مماثلت واثرات دیگر تہذیبوں پر

بلوچستان کی قدیم بولان کی تہذیب کی دیگر تہذیبوں سے گہری مماثلت پائی گئی ہے جن کے بارے میں ماہرین آثار قدیمہ نے دنیا بھر میں سائنسی تحقیقات کی ہیں جن کے نتائج کی روشنی میں مختلف اوقات میں ماہرین نے تحقیقاتی رپورٹیں شائع کی ہیں انہی رپورٹس کی اور جدید سائنسی تحقیق کی روشنی میں بلوچستان کی قدیم تہذیب کا مطالعہ کیا جا تا رہا ہے۔جس کے اثرات اس کے اردگرد موجود دیگر قدیم تہذیبوں میں کثرت سے پائے گئے ہیں ماہرین آثار قدیمہ نے اپنی محنت جستجو اور تلاش سے کھوج لگایا ہے کہ بلوچستان اپنے طبی جغرافیائی اور موسمی ماحول کے ساتھ ساتھ انسانی کارکردگی کے حوالے سب سے اہم خطہ زمین ہے بلوچستان میں انسانی کارکردگی کی تاریخ لاکھوں سال قبل تک پھیلی ہوئی ہے جو مختلف ارتقائی اور انقلابی مرحلوں سے گزر کر آج اس مقام تک پہنچی ہے۔

بلوچستان کی قدیم تہذیب کے آثار جو موجودہ دور کی تحقیق کے مطابق اپنے اردگرد کی قدیم تہذیبوں سے قدیم ترین ہیں۔جن کے آثار و باقیات بلوچستان کے طول وعرض میں ہزاروں کی تعداد میں بکھری ہوئی ہیں جن میں سے صرف چند ایک کو ماہرین آثار قدیمہ نے دریافت کیا ہے۔جس کی بنیاد پر ہمیں یہاں کا قدیم تہذیبی عکس دھندلا سا نظر آتا ہے بلوچستان کی قدیم تہذیب کی دوسری تہذیبوں سے گہرے مماثلت کے ساتھ ساتھ یہاں کے تہذیبی اثرات بھی نمایاں نظر آتے ہیں جن کے بارے میں ماہرین آثار قدیمہ نے بہت سی سائنسی تحقیقات کی ہیں ان کے نتائج اور تحقیقی رپورٹس کی روشنی میں ہم بلوچستان کی قدیم تہذیب کا مطالعہ کر کے تاریخ مرتب کرنے کی کوششیں کریں گے تاکہ بلوچستان اور بلوچ قوم کی مستند و جامع تاریخ مرتب ہو سکے۔

بلوچستان کی قدیم تہذیب نے اپنے آس پاس کی ہی نہیں بلکہ دور دراز کی قدیم تہذیبوں پر بھی گہرے اثرات چھوڑے ہیں جن کے ثبوت ماہرین آثار قدیمہ نے مختلف تہذیبی
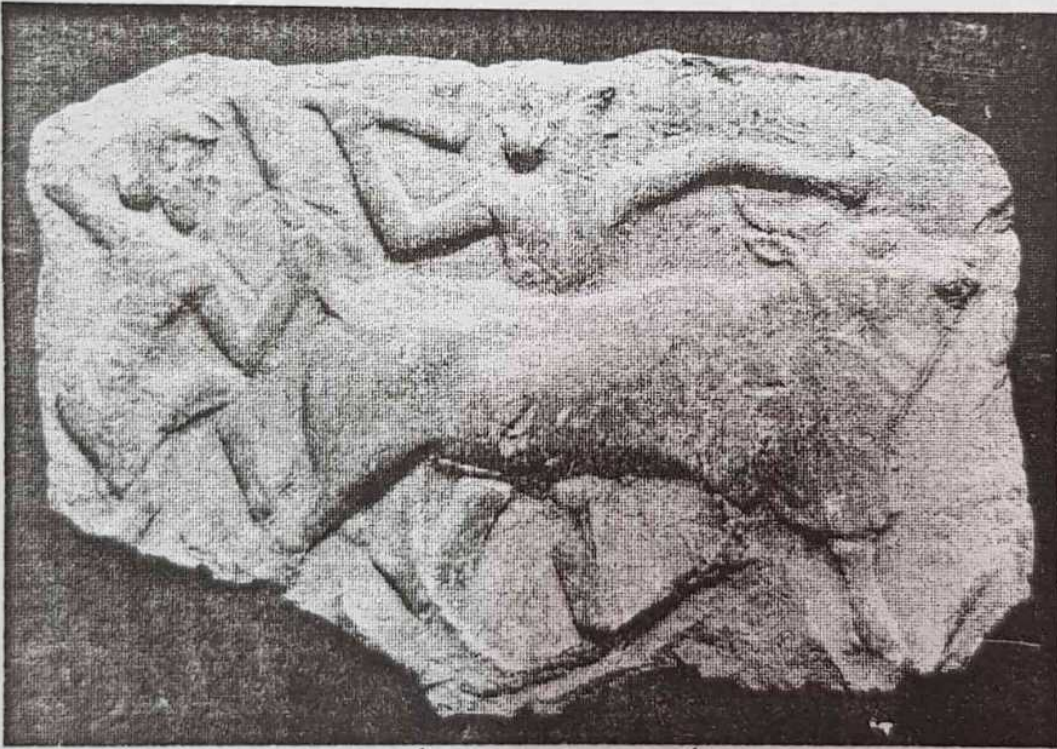
(عراق، انمول مٹی کی تختی جس میں کسان حل چلا رہا ہے)

آ ثار کی کھدائی اور تحقیق سے اکٹھے کیے ہیں قدیم انسانی باقیات کے مطالعہ سے یہ واضع ہوتا ہے کہ بلوچستان میں انسانی عمل دخل لاکھوں سال قدیم ہے جس کے شواہد ضلع موسیٰ خیل میں واقع قدیم قدرتی غاروں سے ملنے والے (نی اینڈ تھال آدمی) اور (کرومیگنان آدمی) کے آثار و باقیات کے دریافت ہونے سے ملے ہیں ان میں مکمل مماثلت اور ایک دوسرے سے باہم وابستگی پائی جاتی ہے نی اینڈ تھال آدمی اور کرومیگنان آدمی پر الگ باب بھی اس کتاب میں شامل ہے جس پہ تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

بلوچستان میں انسانی تہذیب کی تاریخ مرحلہ وار شروع ہوتی ہے ابتداء میں دریاؤں پر کھڑے آدمی پھر باشعور آدمی نے جنم لیا اس کے بعد درجہ بہ درجہ ارتقائی اور انقلابی تبدیلیاں آ گئیں اور یہ وسطی حجری دور سے جدید حجری دور میں داخل ہوا اس عہد کی بڑی خصوصیت انسان میں زمین کی ملکیت کا احساس تھا جو بعد ازاں قصبات اور انسانی بستیوں کے بسانے کا باعث بنا یہی بستیاں بعد میں ریاستوں میں تبدیل ہو گئیں اور یوں انسان نے دوسرے انسان کا استحصال کا آغاز کیا جو بظاہر انسانی تہذیب کا بڑا اہم موڑ سمجھا جاتا ہے۔

بلوچستان میں درہ بولان کے جنوبی سرے مہر گڑھ کے مقام سے قدیم انسانی آثار و باقیات دریافت ہوئیں یہ علاقہ جغرافیائی حوالے سے مختلف موسمی، ثقافتی اور زبانوں کا نقطہ اتصال ہے یہاں قدیم زمانے سے موسم سرما میں ساراوان، جھالاوان کے علاوہ افغانستان اور مشرقی ایران سے لوگ آ کر یہاں آباد ہوتے ہیں اور اسی طرح موسم گرما میں یہاں کے خانہ بدوش گرمیاں گزارنے، تلاش معاش اور مستقل رہائش کے سلسلے میں زرخیز علاقوں کی جانب رخ کرتے رہے جس میں قدیم عہد کے انسان کو ہزاروں سال لگے یوں اس دور میں یہاں بھی نیم خانہ بدوشانہ ثقافت پروان چڑھتی ہوئی نظر آتی ہے شاید انہی نیم خانہ بدوشانہ اور انسانی منتقلی کی وجہ سے اس دور میں ایک تہذیب نے جنم لینا شروع کیا جس کے رشتے اور ثقافتی وتجارتی تعلقات اپنی اردگرد کی دیگر تہذیبوں سے تھے جو ہزاروں کلومیٹر پر پھیلی ہوئی تھیں اس دور میں قبائل بہتر

(بلوچستان، سرینا ہوٹل کوئٹہ کی بنیادوں سے دریافت شدہ نادر سونے کا پیالہ)

موسم ، جغرافیائی ماحول زرخیز زمین اور وافر مقدار میں میٹھے صاف پانی کے قدرتی ذخائر والے علاقے کی تلاش میں دن رات مصروف رہتے تھے جس کی وجہ سے ان قبائل کو ہزاروں سال سفر کرنا پڑا جس کی واضح مثال 35 سو سال قبل مسیح میں دراوڑ اور تقریباً 17 سو سال قبل مسیح سے 19 سو سال قبل مسیح تک آرین کی یلغار تھی جس کی وجہ سے پورے خطے میں انقلابی تبدیلیاں آئیں چھوٹی چھوٹی ثقافتوں سے بڑی بڑی تہذیبوں نے جنم لیا ان سب سے بڑھ کر ان میں لباس ، ادب وفن ، طرز تعمیرات ، رسوم و رواج اور مذہب نے اتحاد اور انضمام کے ذریعے تعمیر و ترقی حاصل کرتے ہوئے بڑی علاقائی اور قومی ثقافتوں کو جنم دیا جن کے پیش نظر قومی ریاستوں اور سلطنتوں کے قیام کی شروعات ہوئیں اس طرح ابتدائی اشتراکی سماج سے استحصالی سماج نے جنم لیا ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں غربت بڑھ گئی ہے تو گویا ظلم بڑھ گیا ہے ظلم بڑھ گیا تو اس کی کوکھ سے امن نہیں جنگ اور فسادات جنم لے سکتے ہیں لامحالہ استحصال کا ردعمل محروم طبقات کی بغاوت کی صورت میں جنم لینے پر ہوگا جو سرمایہ دارانہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی۔

ماہرین نے تحقیق سے یہ بات مزید واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ قدیم دور سے ہی وادی بولان کی تہذیب کے تعلقات اپنے اردگرد کی دور دراز کی تہذیبوں سے بھی تھے جیسا کہ کوئٹہ کے اردگرد اور جنوبی جانب ایک اور سجاوٹی ظروف سے آثار بھی دریافت ہوئے ہیں۔ یہ ظروف بھورے رنگ کی سطح پر سیاہ کام کے ڈیزائنوں سے آراستہ ہیں ان میں جانوروں کی شبیہیں بہت کم ہیں البتہ ہاتھ کے بنائے ہوئے آزاد نقش و نگار کثرت سے بنائے ہوئے لگتے ہیں جو زیادہ تر تجریدی ہیں یہ ظروف تقریباً تین تا چار ہزار سال قبل مسیح کے اواخر کے بنائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں دریافت کنندہ نے ان ظروف کا موازنہ ایرانی تہذیب کے ظروف کے نمونوں سے کیا ہے جس میں سماج کے یہ ظروف تھے اسے ''کوئٹہ ثقافت'، کا نام دیا گیا۔

کوئٹہ کے جنوبی جانب 20 مقامات کا ایک اہم سلسلہ ملا ہے جسے یہاں کے قریبی بڑے ٹیلے ''توغو'' کا نام دیا گیا ہے جو قلات سے 17 کلومیٹر مشرق کی جانب واقع ہے یہ علاقہ جنوبی [illegible] سطح مرتفع بلوچستان اور سندھ کے میدانوں سے ملتی جلتی ثقافت پیش کرتی ہے ''توغو

ظروف، انجیرہ کے تیسرے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں یہ برتن چاک پر بنے ہوئے ہیں ان پر سرخ رنگ کی روغنی تہہ چڑھی ہوئی ہے یہ سیاہ رنگ کے کلیدی نمونوں اور جانوروں کے نمونوں سے مزین ہیں اور ان ظروف کے چار مرحلے بتائے گئے ہیں ''توغو'' کے قدیم تہذیبی آثار مس بیٹرلیس دوکارڈی نے 1948ء میں دریافت کیے اور ان کو ''توغو ثقافت'' کا نام دیا لیکن یہ کوئٹہ ثقافت ہی کا حصہ ہیں۔

بلوچستان کا علاقہ ''نال'' پہاڑی ہے جب کہ سندھ کا علاقہ امری میدانی علاقہ ہے آمری کے مقام سے کھدائی کے دوران بہت سے ظروف کے نمونے برآمد ہوئے ہیں آمری کی مختلف تہوں سے دریافت ہونے والے ظروف یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہاں پرانی ادوار میں ہڑپائی کلچر بھی نمایاں تھا یہاں سے ایک مہر برآمد ہوئی ہے جو ایک غیر پابند شکل میں ہے اور جس پر ایک عقاب کا خاکہ بنا ہوا ہے یہ 2400 سال قبل مسیح کی مہر سے مشابہ ہے مقامی حوالے سے یہ ''وشنو دیوتا'' کی سواری کے طور پر بنے ہوئے عقاب سے مماثلت رکھتی ہے کوئٹہ اور نال ظروف جنوبی افغانستان کی منڈی (گاک) کے ظروف سے کچھ مماثلت رکھتے ہیں ان سے یہ بات واضع ہوتی ہے کہ بلوچستان کے راستے جنوبی افغانستان کے یہ اثرات یہاں سرایت کر گئے آمری نال ثقافت بنیادی طور پر یہاں کی وہ طرز پیش کرتی ہے جو ایرانی تہذیب کے زیر اثر تھی جو یقینی طور پر بلوچستان کے راستے سندھ میں داخل ہوئی جبکہ دجلہ وفرات میں ''جمادنصر'' کا دور تھا۔ اس طرح آمری نال ثقافت کی ابتداء کے بارے میں ماہرین کہتے ہیں کہ یہ 3 ہزار سال قبل مسیح کی پیداوار ہے 3 ہزار سال قبل مسیح میں سطح مرتفع بلوچستان کے تقسیم شدہ ملک میں صنعت وثقافت کی ایک وسیع طرز نے فروغ پایا خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی تحریک مغرب کی جانب سے جنوبی افغانستان کی مقامی ''منڈی گاک'' سے ہوئی تھی جو آج کل بھی ہمارے لئے تنہا شاہراہ ثقافت ہے جنوبی افغانستان عبور کرتی ہوئی چمن کوئٹہ اور اسی طرح درہ بولان اور دیگر جنوبی راستوں کے ذریعے ہوتی ہوئی اور جنوب مغربی بلوچستانی روایات کے مطابق ڈھلتی گئی اسے سطح مرتفع ایران سے آنے والے اثرات سے اور بھی تقویت ملی وادی قلات سے بحیرہ عرب تک کے تمام علاقے ان کے

اثرات کی قبولیت کے اعتبار سے نہایت خصوصیت کے حامل ہیں۔

ماہرین آثار قدیم نے کوئٹہ ظروف کا موازنہ ایرانی تہذیب کے تل باکو (سطح اول) سوسہ (سطح اول) گیان (سطح پنجم) سایک (سطح سوم) ترکمانستان میں اناؤ سطح اول اور دوم) اور عراق میں نینوا (سطح پنجم) سے ملنے والے برتنوں سے کیا ہے جس کو تقریباً 2500 سال قبل مسیح تسلیم کیا گیا ہے 3 ہزار سال قبل مسیح میں دوآبہ کے شہری مراکز کے خلیج فارس ترکمانستان بلوچستان اور سندھ سے گہرے ثقافتی رابطہ تھے جو ایک دوسرے پر انحصار کرتے تھے اور کسی بھی ایک علاقے کو ان قدیم تہذیبوں کا مرکز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

پروفیسر پگٹ کا خیال ہے بحیثیت مجموعی ''کلی ثقافت'''' آمری نال ثقافت'' سے ذرا بھی مختلف نہیں بلکہ وہ میسو پوٹمیا اور ایران کی ان قدیم ثقافتوں سے زیادہ اختلاف نہیں رکھتی ''کلی ثقافت'، سے لاجورد اور عقیق منکے بھی دریافت ہوئے ہیں گنج سندھ میں اور جھیل مانچھر کے قریب غازی شاہ میں کلی ظروف ملے ہیں جدید ترین رائے یہ ہے کہ بلوچستان کی یہ قدیم ثقافت اور بعد میں سندھ کی تہذیب ایک ہی تہذیبی تسلسل ہے بلوچستان کے قدیم تہذیبی آثار اور باقیات کی تحقیق و مطالعہ سے یہ بات مزید واضح ہوتی ہے کہ یہاں کی تہذیب نے اپنے اردگرد کے تمام ہمعصر اور بعد کی ثقافتوں اور تہذیبوں پر گہرا اثر چھوڑا اور اسے شدت سے اپنے میں جذب بھی کیا کیونکہ تہذیبوں میں تصادم نہیں ہوا کرتا بلکہ مختلف ثقافتوں کے اتحاد اور انضمام سے تہذیبیں جنم لیتی اور پروان چڑھتی ہیں۔

کتابیات

1	نوشابہ الیاس	فنون لطیفہ زینہ بہ زینہ، 2001ء
2	بشریٰ افضال عباسی	جنوبی ایشیاء کا جغرافیہ، 1998ء
3	بشریٰ افضال عباسی	جغرافیائی معلومات (انسائیکلوپیڈیا) 2002ء
4	سبط حسن	پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، 1975ء
5	سبط حسن	ماضی کے مزار، 1976ء
6	میخائل ایلین / ایلینا سیکال	انسان بڑا کیسے بنا، 2000ء
7	احمد یار بلوچ (خان آف قلات)	بلوچ قوم کے نام خان بلوچ کا پیغام، اگست 1976ء
8	پروفیسر خلیل صدیقی	زبان کا ارتقاء، 1977ء
9	پروفیسر خلیل صدیقی	زبان کا مطالعہ، 1964ء
10	عائشہ بیگم	تاریخ اور سماجیات، 1999ء
11	ہیروڈوٹس	دنیا کی قدیم ترین تاریخ، 2001ء
12	اے مانفرید	تاریخ و تہذیب عالم، 1996ء
13	اے، ایل باشم	ہندوستانی تہذیب کی داستان، 1999ء
14	ڈاکٹر مبارک علی	تاریخ اور دانشور، 1995ء
15	ول ڈیورانٹ	عرب، سومیر، مصر، بابل، اشور، یہوداہ، 1997ء
16	ایچ، جی ویلز	مختصر تاریخ عالم، جنوری 1996ء
17	عباد اللہ اختر	بغداد۔
18	جی، لی اسٹرینج	جغرافیہ خلافت مشرقی، 1987ء
19	میر محمد معصوم بکھری	تاریخ معصومی، 2002ء
20	یحییٰ امجد	تاریخ پاکستان (دور قدیم)، 1989ء
21	ملک سعید دھوار	تاریخ بلوچستان ماقبل تاریخ، 1971ء

22 مالک رام — حمورابی بابلی تہذیب وتمدن، 2000ء

23 رشید احمد — تاریخ مذاہب، 1986ء

24 آغا نصیر خان احمد زئی — قدیم شالکوٹ.

25 مسز مجیدہ صابر — علم انسانیات، 1990ء

26 ڈاکٹر شاہ محمد مری — بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک، 2000ء

27 کامل القادری — قدیم بلوچستان، جنوری 1971ء

28 ش صحٰی — ہمارا بلوچستان، اکتوبر 1972ء

29 مسز مجیدہ صابر — علم انسانیات، 1990ء

30 نبی بخش خان بلوچ — چچ نامہ (ترجمہ) 2002ء

31 م۔ک۔ پیکولین — بلوچ، جنوری 1988ء

32 حمیرا عالم — آثار قدیمہ کی سائنس، 1999ء

33 سر مورٹیمر وھیلر — وادی سندھ اور تہذیبیں، ستمبر 2003ء

34.ANCIET CITIES OF THE INDUSVALLEYGIVILIZATION .
J.M.KENOYER-1998.

35.SOUTH ASIAN ARCHAEOLOGY STUDIES.
G.L.POSSEHL,1992.

36.ANCIENT INDIA.
LAND OF MYSTERY

عطا شاد

گل کدہ

(مہر گڑھ کے آثارِ قدیمہ سے ایک تاثر)

یہ زندگی بھی مسافتوں کا عجیب سا ایک سلسلہ ہے
یہ ایک بے انت فاصلہ ہے
رواں دواں پھر بھی قافلہ ہے
یہ گل کدہ
جو مہک رہا ہے
صدا و صورت و نَوا و نغمہ کی دھ[illegible]
کبھی اس امروز کا کوئی خوشگوار [illegible] ہوا تھا
کتابِ ماضی کا ایک اِک حرف
اب بھی اس کی صباحتوں سے دمک رہا ہے
بَصیرتوں کو ہمک رہا ہے
مثالِ طفلِ طلب، تراشے
یہ فکر کا ایک ایک گوشہ
شناخت کا ایک ایک لمحہ

قلات پبلشرز
ایوان اشاعت رستم جی لین جناح روڈ کوئٹہ Ph: 2827252